حضرتِ امیرِ ملت مجدد دین و ملت
حسب ارشاد گرامی
واقف رموز طریقت، رہبر شریعت معین الملت حضرت الحاج پیر سید
حیدر حسین شاہ علی پوری العالیہ جماعتی دامت برکاتہم
مرتبہ
استاذ العلماء حضرت علامہ مفتی غلام رسول جماعتی دار العلوم نقشبندیہ
دربار عالیہ علی پور سیداں شریف
ناشر: دار العلوم شاہ جماعت قصور
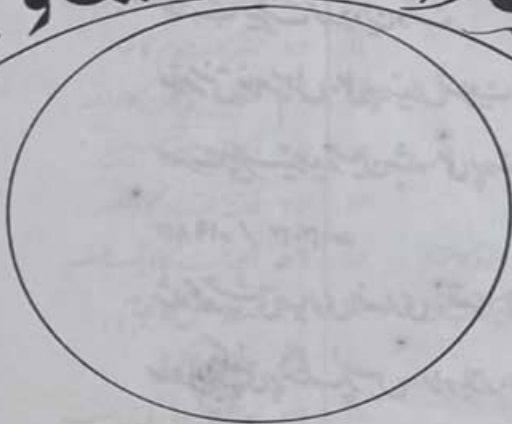
حضرت امیر ملت مجدد دین و ملت

مرتبہ

استاذ العلماء حضرت علامہ مفتی غلام رسول جماعتی دار العلوم نقشبندیہ دربار عالیہ علی پور سیداں شریف

حسب ارشاد گرامی

واقف رموز طریقت رہبر شریعت معین الملت حضرت الحاج پیر سید حیدر حسین شاہ جماعتی علی پوری دامت برکاتہم العالیہ

ناشر: دار العلوم شاہ جماعت قصور

۱۱ جون ۲۰۱۹ء
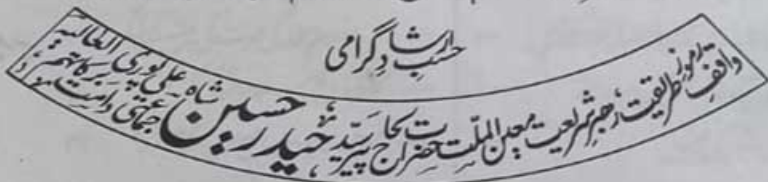
سالانہ عرس مبارک کے موقع پر
شہزادہ امیر ملت حضور قبلہ نجم الملت
پیر سید مظفر حسین جماعتی حیدری
دامت برکاتہم العالیہ
نے تحفہ عطا فرمایا

کتاب
حضرت امیر ملت
مجدد دین و ملت

مہیا کرنے پر
میں حافظ ظہیر جماعتی صاحب کا
تہہ دل سے مشکور ہوں
(بختیار حسین جماعتی)

نام کتاب — حضرت امیرِ ملّت مجدّدِ دین و ملّت

تصنیف — علاّمہ مفتی غلام رسول، علی پور سیّداں شریف

حسبِ ارشاد — حضرتِ پیر سیّد حیدر حسین شاہ، علی پور سیّداں شریف

بارِ اوّل — ۱۹۸۴ء / ۱۴۰۴ھ

کتابت — شاہ محمد چشتی سیالوی انصاری، قصور۔ فون ۳۱۳۴

مطبع — حامد اینڈ کمپنی پرنٹنگ پریس، اردو بازار، لاہور

صفحات — ۱۱۲

ناشر — دارالعلوم شاہ جماعت، قصور

ہدیہ

فہرست

منقبت

مجددِ علی پوری نوّر اللہ مرقدہٗ

عمدۃ السالکین مربی المریدین معین الملت حضرت پیر سید حیدر حسین شاہ مدظلہ العالی کے ارشاد پر جناب خالد محمود نقشبندی مجددی (کراچی) کی تحریر کردہ منقبت شاملِ اشاعت کی جا رہی ہے

فقیہ و محدث ولیٔ زمانہ۔ علی پور والا مجددِ یگانہ

رسول اللہ دے قادری تنویر سوہنا۔ سراپا کرم دی اوہ تصویر سوہنا

اوہدے مرتبے دا نہ کوئی ٹھکانہ۔ علی پور والا مجددِ یگانہ

اوہدی یاد سب روگ دل دے مٹاوے، اوہ کامل تے اکمل تے عارف بناوے

جے پاوے کدی اوہ نظر عارفانہ۔ علی پور والا مجددِ یگانہ

اوہدی شان تے بیمثالی نوں ناز اے۔ میرا پیر اللہ دا اک سربستہ راز اے

اوہ لجپال اے جاندا اے زمانہ۔ علی پور والا مجددِ یگانہ

ہمیشہ اوہدا فیض جاری تے ساری سدا جھولیاں بھر کے جاندے بھکاری

سخاوت دا منبع اوہدا آستانہ۔ علی پور والا مجددِ یگانہ

نہ کھندی اوہدے نال کوئی مصیبت اوہدے سر تے سایہ فگن رب دی رحمت

جیہدے سر دا اے اوہدا شامیانہ۔ علی پور والا مجددِ یگانہ

جنہاں عشق دی مے پائی اے خالد، اوہدے در دی منگدے گدائی او خالد

اوہ لبھدے اوہدی دید دا نت بہانہ۔ علی پور والا مجددِ یگانہ

تائید

عمدۃ السالکین مربی المریدین مصدرِ حسنات و خیرات حضرۃ معین الملۃ
عالی جناب پیر سید حیدر حسین شاہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ
علی پور شریف

میں نے کتاب "حضرتِ امیرِ ملت مجددِ دین و ملت" کو دیکھا ہے۔
ہمارے دار العلوم نقشبندیہ کے مفتی صاحب نے لکھا ہے کہ چودھویں صدی
کے مجدد حضرت امیرِ ملت قدس سرہ العزیز تھے، یہ صرف صحیح نہیں بلکہ
حقیقت ہی یہ ہے کہ آپ چودھویں صدی کے مجدد تھے۔ مجدد کے جو
علماءِ محدثین نے اوصاف بیان کئے ہیں وہ آپ میں تمام متحقق تھے۔ حضرت
امیرِ ملت قدس سرہٗ ولایت کے تمام مراتبِ عالیہ کے ساتھ متصف ہونے
کے باوجود مجددِ دوراں بھی تھے۔ آپ نے دینِ اسلام کی خدمت اور تبلیغ
اتنی فرمائی ہے جس کی مثال چودھویں صدی میں کہیں بھی نہیں ملتی لہٰذا
آپ کے مجدد ہونے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

گدائے مدینہ طیبہ

سید حیدر حسین شاہ
علی پوری
آستانہ عالیہ علی پور سیداں شریف

زیرِ نظر کتاب حضرت امیرِ ملّت مجدّدِ دین و ملّت میں چودھویں صدی کے مجدّد کے متعلق بحث کی گئی ہے۔ مسلمانوں کے نزدیک یہ اصولِ موضوعہ ہے کہ نبوت و رسالت کا اختتام جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہو چکا ہے اور آپ پر ہی دین مکمل ہو چکا ہے، آپ کے بعد کسی نبی کا آنا محال ہے۔

شیخ ابنِ عربی فتوحات میں فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت اور رسالت ختم ہے، آپ کے بعد کوئی نبی اور رسول نہیں ہو سکتا لیکن آپ کی امت میں وہ لوگ بھی ہیں جو کہ دینِ اسلام کی حفاظت اس طرح کریں گے جیسا کہ انبیاء بنی اسرائیل کرتے تھے چنانچہ صحیح حدیث میں ہے علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل یعنی میری امت کے علماء مثل انبیاء بنی اسرائیل کے ہوں گے۔

چودہ سو سال کی تاریخ اس بات کی واضح شہادت دیتی ہے کہ اس امت میں اولیاء اور علماء ایسے گذرے ہیں جنہوں نے دینِ اسلام کی حفاظت اور عظیم خدمت کی ہے اور دین کی تجدید اور سنت کا احیاء فرمایا ہے اور حدیثِ پاک میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس امت کی اصلاح کے لئے ہر صدی کے سرے پر مجدّد ایسے بندے بھیجتا رہے گا جو اس کے لئے اس کے دین کی تجدید کرتے رہیں گے جیسے کہ اللہ تعالیٰ پہلی صدیوں سے دینِ اسلام کی تجدید کے لئے اپنے بندے مبعوث فرماتے رہے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ نے چودھویں صدی میں دین کی تجدید کے لئے امام الاولیاء والاتقیاء قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین حضرت امیرِ ملّت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری نور اللہ مرقدہ کو مبعوث فرما دیا تھا۔

حضرت امیرِ ملت قدس سرہ میں مجدد کے تمام اوصاف پائے جاتے ہیں تبلیغ دین، سنت کا احیاء، علمِ دین کی اشاعت، بدعات کا قلع قمع، فتنۂ ارتداد کا خاتمہ، کفار کو اسلام میں داخل کرنا، مرتدین کو اُن کے شکوک و شبہات دور کر کے پھر دائرہ اسلام میں داخل کرنا، دینِ اسلام کو اس کی اصلی صورت میں لوگوں کے سامنے پیش کرنا اور اس میں افراط و تفریط نہ ہونے دینا، قوانینِ اسلام کا تحفظ اور علماء کا احترام، مدارسِ دینیہ کا قیام اور مساجد کی تعمیر اور جھوٹے نبی کے ساتھ مقابلہ کرنا اور اس کو دعوتِ مباہلہ دینا اور پھر اس کی موت کے متعلق پیشین گوئی کرنا اور پھر پیشین گوئی کا فی الواقع پورا ہو جانا۔

یہ تمام ہی صفاتِ مجدد ہیں جو کہ حضرتِ امیرِ ملت قدس سرہ میں علیٰ وجہ الکمال اور کما حقہ پائے جاتے ہیں لہٰذا آپ جیسے دیگر صفات ولایت کے ساتھ متصف تھے اسی طرح آپ چودھویں صدی کے بھی مجدد تھے۔

مفتی غلام رسول
دار العلوم نقشبندیہ علی پور شریف
ضلع سیالکوٹ

حامداً و مصلیاً و مسلماً

دینِ اسلام جیسا کہ ایک مکمل مذہب ہے اسی طرح یہ ایک معاشرتی نظام اور ایک طرح کی ثقافت بھی اسمیں روحانیت و طریقت کی ایک عمیق اور گہری روایت بھی موجود ہے جس کا ارتقاء اور نشو و نما گذشتہ زمانہ میں ہوا ہے تاحال جاری ہے اور انسان کی استعداد اور قدرت میں جس قدر علم ہے، اسلامی علمِ معرفت میں اس کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ایک بہت بڑے مفکر اور محقق علامہ نصیر الدین طوسی صاحب شرح اشارات (م ۶۷۲ھ) نے ان چاروں قسموں کے لئے چار مشروبات کا بطور رمز و اشارہ و علامت ذکر کیا ہے۔

۱۔ پہلی قسم وہ ہے جس میں عالمِ حواس کا ادراک حواسِ خمسہ اور قوتِ استدلال سے کیا جاتا ہے (اس کی نشانی پانی ہے کیونکہ پانی ایک صاف سیال شے ہے جس کا جذب کرنا آسان ہے اس میں طریقہ سائنس ہے)

۲۔ دوسری قسم وہ ہے کہ یہ علم کیفیت وجدانیہ ہے جو کہ قوّتِ متخیلہ کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے اس میں ادب فلسفہ شامل ہے (اس کی علامت لبن یعنی دودھ ہے جو کہ ایک فائدہ اور قوت بخش غذا ہے اور فلسفہ سے مراد یہاں علمی تفکر ہے)

۳۔ تیسری قسم جس میں انبیاء علیہم السلام اور عارفین کاملین کے ما فوق حسّی تجربات اور تجلیات کا مطالعہ کیا جاتا ہے اسے حکمتِ الٰہیہ کہتے ہیں، یہ بھی ایک قسم فلسفہ کی ہے (اس کی علامت شہد ہے جو دودھ سے زیادہ قوت بخش اور لذیذ ہے)

۴۔ چوتھی قسم وہ ہے جس میں روحانی ادراک کی مخفی قوتوں کو بیدار کر کے طبعی یا ذہنی قویٰ کے وسیلہ کے بغیر ما فوق حسّی حقیقت کا براہِ راست تجربہ اور مزاولت۔

کی جاتی ہے، مثلاً الہام، کشف اور رؤیائے صادقہ۔ اس کی علامت روحانی شراب ہے جو کہ بے فکر کر دیتی ہے، اور اس روحانی تجربہ کی مثال لیلۃ القدر، شب برات اور معراج والی رات ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حشر کا پہلے ہی مشاہدہ فرمایا۔

روحانی ذکر و فکر کے بڑے ماخذ قرآن و سنت ہی ہیں اور فوق حسی حقیقت کا علم حاصل کرنے کے لئے روحانی ادراک کی تربیت ضروری ہے۔ یہ علم انسان اپنی مرضی اور ارادے سے حاصل نہیں کر سکتا، یہ علم اللہ کی عطا پر منحصر ہے، اس علم کے حاملین اولیاء کرام اور علماء مجددین ہیں، اولیاء کرام کی شان میں متعدد قرآنِ کریم کی آیات اور احادیث موجود ہیں۔

حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ (م ۲۴ھ) فرماتے ہیں کہ حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کے بندوں میں بعض لوگ وہ ہیں جو انبیاء اور شہداء تو نہیں لیکن انبیاء اور شہداء ان کے مرتبوں پر رشک کریں گے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ کون ہوں گے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ وہی لوگ ہوں گے جو بغیر کسی قرابت داری اور دنیاوی تعلقات کے اللہ کی رحمت سے لوگوں میں محبوب ہو گئے، پس خدا کی قسم ان کے چہرے منور ہوں گے اور انہیں کوئی خوف اور غم نہیں ہوگا اور پھر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو تلاوت فرمایا الا ان اولیاء اللہ لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون "خبردار! اولیاء اللہ پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔" (ابوداؤد)

حضرت داتا گنج بخش ہجویری رحمۃ اللہ علیہ (م ۴۶۵ھ) فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی زمین کو اپنے دوستوں سے خالی نہیں رکھا اور امتِ محمدیہ کو اپنے اولیاء کے وجود سے خالی نہیں رکھا چنانچہ رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں ہمیشہ چالیس آدمی ایسے ہوں گے جن کی عادتیں اور خصلتیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے

موافق ہوں گی۔

اللہ تعالیٰ بعض اولیاء کرام کو ولایت کے مخصوص مراتب عطا فرماتے ہیں اور بعض کو مقام ولایت کے تمام مراتب سے نوازتے ہیں جیسے کہ امام الاولیاء والاتقیاء، قدوۃ السالکین، زبدۃ العارفین، مجدد دین وملت حضرت امیر ملت پیر سید حافظ جماعت علی شاہ محدث علی پوری نور اللہ مرقدہ (م ۱۳۷۰ھ) ولایت کے تمام مراتب کے ساتھ متصف تھے۔

سیرت امیر ملت میں ہے کہ حاجی میاں احمد صاحب کوہاٹی نے بیان کیا کہ حج وزیارت کے لئے گئے تو مدینہ منورہ میں پشاور بہادر گلی کے ایک بزرگ حاجی حافظ محمد عمران صاحب سے ملاقات ہوئی، انہوں نے چھیالیس حج کئے تھے اور اکثر دربار نبوی میں حاضر رہتے تھے بڑے روشن ضمیر اور بزرگ آدمی تھے۔ حاجی عمران صاحب نے بیان کیا کہ جب تک کسی کی رسل پر حضرت آغا خلیل صاحب دستخط نہ کریں اس کا ولایت کے کسی درجہ پر بھی تقرر نہیں ہوتا حاجی میاں احمد صاحب کہتے ہیں کہ میں نے حاجی عمران صاحب سے کہا کہ دہلی کی جامع مسجد میں باتیں ہو رہی تھیں تو میں نے سنا تھا کہ آجکل غوث زمانہ فلاں بزرگ ہیں، حاجی عمران صاحب تنک کر بولے، بھائی جو غوثیت اور قطبیت یہاں سے ملتی ہے وہ تو نہیں البتہ جامع مسجد دہلی سے ملی ہوتی ہو تو میں کہہ نہیں سکتا۔ میاں احمد نے سوال کیا اچھا بتائیے۔ اس وقت ہمارے حضرت قبلۂ عالم محدث علی پوری کس درجہ ولایت پر فائز ہیں۔ حاجی عمران صاحب کہنے لگے کہ اس وقت تمام روئے زمین پر آپ کا تصرف ہے درجہ ولایت میں کوئی مرتبہ باقی نہیں جو آپ کو نہ ملا ہو۔ (سیرت امیر ملت ص ۱۵۰)

حضرت امیر ملت جیسے کہ ولی کامل مرشد برحق اور اپنے زمانہ کے غوث قطب تھے اسی طرح آپ چودھویں صدی کے مجدد بھی تھے۔

مجدد کی ضرورت

چونکہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں، منصب نبوت و رسالت

آپ پر ختم ہے۔ امام ابن جریر (م ۳۱۰ھ) اپنی تفسیر ابن جریر میں لکھتے ہیں و لکنہ رسول اللہ وخاتم النبیین الذی ختم النبوۃ فطبع علیہا فلا تفتح لاحد بعدہ الی قیام الساعۃ وہ اللہ کے رسول ہیں اور خاتم النبیین ہیں جنہوں نے نبوت کو ختم کیا پس نبوت پر مہر لگادی گئی، اب یہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک کسی کے لئے کھولی نہ جائیگی۔

شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۳۸ھ) فتوحاتِ مکیہ جزء ثانی باب ۷۳ میں فرماتے ہیں کہ حدیثِ پاک میں ہے ان النبوۃ و الرسالۃ قد انقطعت فلا رسول بعدی و لا نبی کہ نبوت و رسالت ختم ہو چکی ہے میرے بعد نہ کوئی رسول آئے گا اور نہ کوئی نبی۔ ابنِ عربی اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر نبوت و رسالت ختم ہے، آپ کے بعد کوئی نبی اور رسول نہیں ہو سکتا لیکن آپ کی امت میں وہ لوگ بھی ہیں جو کہ دینِ اسلام کی حفاظت اسطرح کریں گے جیسا کہ انبیاء بنی اسرائیل کرتے تھے چنانچہ صحیح حدیث میں ہے علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل یعنی میری امت کے علماء مثل انبیاء بنی اسرائیل ہوں گے۔

چودہ سو سال کی تاریخ میں اس بات کی واضح شہادت ہے کہ اس امت میں اولیاء اور علماء ایسے گزرے ہیں جنہوں نے دینِ اسلام کی حفاظت اور عظیم خدمت کی ہے اور اسلام اور غیر اسلام، سنت اور بدعت کے درمیان ہمیشہ سے امتیاز کرتے آئے ہیں اور نامساعد حالات میں بھی ہر اس فتنہ اور شورش کا مقابلہ کیا ہے جو اسلام کے خلاف کھڑا ہوا ہے، دینِ حق اور سنتِ نبویہ میں کسی قسم کی بدعتِ سیئہ کو داخل نہیں ہونے دیا۔

حدیثِ پاک میں ہے کہ میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ اللہ تعالٰے کے امرِ دین اور احکامِ شریعت کے ساتھ قائم رہے گا۔ جو شخص ان کو ذلیل کرنے کی کوشش اور ان کی مخالفت کرے گا وہ ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا اور وہ گروہ ہمیشہ اسی پر قائم رہیگا

یہاں تک کہ قیامت (اللہ کا امر) آجائے گی۔

حدیث پاک کا مطلب واضح ہے کہ اللہ تعالےٰ ایسے بندے پیدا کرتا رہے گا جو کہ دینِ اسلام کے محافظ اور امین ہوں گے اور دین میں افراط و تفریط نہیں ہونے دیں گے اور دین کو اس کی اصلی صورت (جیسے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھا) میں امت محمدیہ کے سامنے پیش کرتے رہیں گے، اگر وہ کہیں کمی بیشی دیکھیں گے تو اس کی تجدید اور احیاء کر دیں گے اور ایسے لوگ ہی مجدد دین ہیں۔

امام ابوداؤد (م ۲۷۵ھ) نے اپنی سند کے ساتھ حضرتِ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ (م ۵۸ھ) سے روایت کی ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی رأس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا (سنن ابوداؤد ص ۱۳۲، ج ۲) کہ اللہ تعالےٰ اس امت کی اصلاح کے لئے ہر صدی کے سرے پر مجدد (ایسے بندے) بھیجتا رہے گا جو اس کے لئے اس کے دین کی تجدید (نیا اور تازہ) کرتے رہیں گے۔

اس حدیث کو ابوداؤد کے علاوہ امام حاکم (۴۰۵ھ)، امام طبرانی (م ۳۶۰ھ)، ابونعیم (م ۴۳۰ھ)، حافظ بزاز (م ۲۹۲ھ)، امام عبداللہ بن عدی (م ۳۶۵ھ)، علامہ جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) علامہ علی بن حسام الدین (م ۹۷۵ھ)، امام بیہقی (م ۴۵۸ھ)، ملا علی القاری (م ۱۰۱۴ھ) اور شیخ ولی الدین ابی عبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیب (م فی حدود ۸۰۰ھ) وغیرہ نے ذکر کیا ہے اور سنن ابوداؤد کی اس حدیث کے متعلق ملا علی القاری لکھتے ہیں وسندہ صحیح و رجالہ کلھم ثقات وکذا صححہ الحاکم کہ اس کی سند صحیح ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں اور امام حاکم صاحب مستدرک نے اس کی تصحیح بیان کی ہے (مرقات شرح مشکوٰۃ ص ۳۰۲ ج ۱) اور علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں اتفق الحفاظ علی تصحیحہ کہ حفاظِ حدیث اس کی صحت پر متفق ہیں۔

کتبِ حدیث میں سنن ابو داؤد کا مقام

امام سلیمان بن اشعث بن اسحٰق اسدی سجستانی نے سنن کو پانچ لاکھ احادیث سے منتخب کر کے مرتب کیا۔ اس میں کل چار ہزار آٹھ سو احادیث ہیں۔ سنن ابی داؤد صرف احادیث احکام کی جامع ہے بدیں اعتبار اسلامی احکام کے سلسلہ میں حدیث کی یہ پہلی کتاب ہے سنن ابی داؤد ان تمام احادیث پر مشتمل ہے جن پر فقہاء نے احکام کی اساس رکھی تھی، اسی لئے امام سلیمان خطابی (م ۳۰۸ھ) معالم السنن میں رقمطراز ہیں خوب جان لیجئے کہ سنن ابی داؤد بہترین کتاب ہے، علم دین میں ایسی کتاب تا ہنوز تصنیف نہیں کی گئی سب لوگوں کے یہاں اس کو خلعتِ قبول سے نوازا گیا ہے۔ علماء کے سب گروہ اور فقہاء کے تمام طبقات اختلاف مذاہب و مسالک کے باوجود اس کا حکم مانتے ہیں، علماء میں اس کو مرکز و محور کی حیثیت حاصل ہے، اہلِ عراق و مصر بلادِ مغرب اور اکثر دیار و امصار کے لوگ اس پر اعتماد کرتے ہیں البتہ اہلِ خراسان صحیحین اور ان کے کتب کے شیفتہ و فریفتہ ہیں جو ان دونوں کی شرط کے مطابق تحریر کی گئی ہیں، البتہ ابو داؤد وضع و ترتیب کے اعتبار سے بہت عمدہ کتاب ہے اور اس میں زیادہ فقاہت پائی جاتی ہے۔ امام ابو عیسیٰ ترمذی کی کتاب بھی بہت اچھی ہے اور ان کا طرز و انداز وہی ہے جو انہوں نے خود بتایا۔

محدث ابن الصباح (م ۲۴۳ھ) اپنے مقدمہ میں امام ترمذی سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے اپنی کتاب میں احادیثِ صحیحہ لکھیں اور جو ان سے ملتی جلتی ہیں جس حدیث میں شدید قسم کا وہم پایا جاتا تھا اس کو بیان کر دیا جس حدیث پر میں نے کوئی تنقید نہیں کی وہ لائقِ احتجاج ہے اور بعض حدیثیں دوسری احادیث سے زیادہ صحیح ہوا کرتی ہیں اور علماء محدثین نے بکثرت سنن ابی داؤد کی شرحیں تحریر کی ہیں۔ مندرجہ ذیل کے اسماء قابلِ ذکر ہیں :-

امام سلیمان خطابی نے معالم السنن لکھی۔

علامہ قطب الدین مینی شافعی (م ۶۵۲ھ)

شہاب الدین رملی (م ۸۴۴ھ)

حافظ منذری (م ۶۵۶ھ) نے ابوداؤد کا خلاصہ لکھا پھر علامہ ابن القیم (م ۷۵۱ھ) نے اس خلاصہ میں مزید کانٹ چھانٹ کی۔

مولوی خلیل احمد انبیٹھوی دیوبندی (م ۱۳۴۶ھ) نے بذل المجہود لکھی جو کہ ایک جامع اور مفید ترین شرح ہے سنن ابی داؤد دوسرے طبقہ کی کتاب ہے۔

حدیث کی صحت وحسن اور ضعیف کے اعتبار سے کتب حدیث کے چار طبقے ہیں:

پہلا طبقہ: اس میں بخاری ومسلم اور موطا امام مالک ہے۔

دوسرا طبقہ: جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، مسند احمد بن حنبل اور نسائی شامل ہیں، یہ کتب پہلے طبقہ کی اگرچہ نہیں ہیں لیکن علماء محدثین نے طبقہ اول ودوم کی کتب پر اعتماد کرتے ہوئے ان سے عقائد وشریعت کے اصول مستنبط کئے ہیں۔

تیسرا طبقہ: اس طبقہ میں وہ کتب شامل ہیں جن میں ضعیف حدیث کی تمام قسمیں مثلاً شاذ، منکر، مضطرب حدیثیں پائی جاتی ہیں، ان کے اکثر راوی مستور الحال ہیں مثلاً مسند ابن ابی شیبہ (م ۲۳۹ھ)، مسند ابی داؤد طیالسی (م ۲۰۴ھ)، مسند عبد بن حمید (م ۲۴۳ھ)، مصنف عبد الرزاق بن ہمام (م ۲۱۱ھ)، بیہقی (م ۴۵۸ھ)، معانی الآثار (امام طحاوی م ۳۲۱ھ)، طبرانی (امام سلیمان بن احمد طبرانی م ۳۶۰ھ)۔

ان کتب سے صرف جید علماء ہی استفادہ کر سکتے ہیں۔

چوتھا طبقہ: اس میں ابن شاہین (م ۳۸۵ھ) اور ابن مردویہ (م ۴۱۰ھ) کی کتابیں شامل ہیں۔

جس طرح حدیث کی صحت و حسن و ضعف کے اعتبار سے کتبِ حدیث کے چار طبقے ہیں اسی طرح کتبِ حدیث کی تالیف کے لحاظ سے کئی قسمیں ہیں:۔

جامع جو آٹھ چیزوں پر مشتمل ہو سیر، آداب، سفر، عقائد، فتن، احکام، اشراط، مناقب۔

سنن، جس میں صرف احکام ابواب فقہ کی ترتیب پر ہوں۔

مسند، جس میں احادیثِ صحابہ بحسب ترتیب ذکر ہوں مثلاً اولاً وہ احادیث جو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (م ۱۳ھ) سے مروی ہیں۔

معجم، جس میں شیوخ کے احادیث مرتبہ ذکر ہوں۔

جزء، جس میں مسئلہ واحدہ کی احادیث ذکر ہوں مثلاً جزء قراۃ للبخاری۔

مفرد، جس میں ایک شخص کی احادیث جمع ہوں مثلاً احادیثِ ابوہریرہ۔

ابواب، بعض ائمہ نے ابواب کے لحاظ سے بھی تصنیف کی ہیں جیسا کہ دارقطنی (م ۳۸۵ھ) نے باب القضاء بالیمین مع الشاہد تصنیف فرمائی ہے۔

شیوخ، بعض ائمہ نے مخصوص شیخ کی احادیث کو جمع کیا ہے مثلاً اسمٰعیل (م ۳۷۱ھ) نے حدیث امام اعمش (م ۱۴۸ھ) اور امام نسائی (م ۳۰۳ھ) نے حدیث فضیل بن عیاض (م ۱۸۸ھ) کی جمع ہیں۔

تراجم، وہ احادیث جو کہ ایک ترجمہ کے ساتھ ہوں ان کو جمع کیا جائے مثلاً مالک[1] عن نافع[2] عن ابن عمر[3]۔

---

[1] امام مالک رضی اللہ عنہ (م ۱۷۹ھ) [2] نافع مولیٰ عبداللہ بن عمر (م ۱۱۷ھ)
[3] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ (م ۷۳ھ)

طرق: بعض احادیث کے طرق اور اسناد جمع کئے جائیں مثلاً امام طبرانی نے من کذب علی متعمداً کے تمام طرق کو جمع کیا ہے۔

علل: یہ کہ ہر باب یا حدیث میں طرق کو جمع کیا جائے اور اس کے ساتھ ہی راویوں کا اختلاف بھی مذکور ہو۔

اطراف: یہ حدیث کے ایک طرف کو بیان کرتا ہے جو کہ بقیہ حدیث پر دلالت کرے اور اس کے تمام اسناد کو جمع کرے خواہ کتب مخصوصہ کی قید لگائے جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) نے اطراف کتب عشرہ میں کیا ہے۔

مستدرک: جس میں وہ حدیثیں جمع ہوں جو کسی مصنف کی شرائط کے مطابق ہوں مگر اس کی کتاب میں موجود نہ ہوں پھر اُن کو دوسرا مصنف اپنی کتاب میں جمع کرے مثلاً مستدرک امام حاکم نیشاپوری (م ۴۰۵ھ)

مستخرج: حافظ عراقی (م ۸۰۶ھ) کے قول کے مطابق مستخرج کا مطلب یہ ہے کہ کوئی مصنف کسی کتاب کی احادیث کے جامع و مؤلف کے علاوہ اپنی سند سے روایت کرے اور اس کی سند مؤلف کتاب کے شیخ کے ساتھ یا اس کے اوپر جا کر مل جائے۔

الاجزاء: حدیث کی جس کتاب میں صرف ایک ہی صحابی یا راوی کے مرویات جمع ہوں اس کو جزء کہتے ہیں مثلاً جزء ابی بکر اسی طرح حدیث کی جس کتاب میں ایک ہی مسئلہ سے متعلق احادیث کو یکجا کیا گیا ہو اسکو بھی جزء کہتے ہیں مثلاً محمد بن نصر المروزی (م ۲۹۴ھ) نے جزء قیام اللیل لکھی ہے۔

اربعین: جس میں چالیس احادیث جمع کی جائیں (نور القمر قدبن ص۵ و فتح الملہم ص۱۰۵ و تدریب الراوی ص۳۳) احادیث تجدید جس کو امام ابوداؤد نے بیان کیا ہے۔ اسکی تصحیح امام حاکم، ملا علی القاری، ور سیوطی نے علاوہ حافظ ابن حجر

عسقلانی نے بھی بیان کی ہے لہذا یہ سنن ابوداؤد کی حدیث صحیح ہے۔ ایک صدی میں متعدد مجدّدین ہو سکتے ہیں۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ایک صدی میں ایک ہی مجدّد ہوتا ہے حالانکہ یہ فکر و نظر ایسا ہے جس کی کتاب و سنت میں کوئی اصل اور بنیاد نہیں ہے کیونکہ مجدّدیت کے متعلق جو حدیث بیان کی گئی ہے اس میں جو لفظ مَنْ کا ہے وہ اپنے اصل کے لحاظ سے عموم کے لئے وضع ہے، علامہ عبدالرحمٰن جامی (م ۸۹۸ھ) لکھتے ہیں کہ مَنْ چار قسم پر ہے، موصولہ، استفہامیہ، شرطیہ، موصوفہ (شرح جامی صـ۲۴۹)۔ علامہ تفتازانی (م ۷۹۱ھ) فرماتے ہیں کہ من چار قسم پر ہے شرطیہ، استفہامیہ، موصولہ، موصوفہ واما الاخریان (ای الموصولۃ والموصوفۃ) فقد تکونان للعموم وشمول ذوی العقول و قد تکونان للخصوص وارادۃ البعض کہ من موصولہ اور موصوفہ کبھی دونوں عموم کے لئے ہوتے ہیں اور ذوی العقول کو شامل ہوتے ہیں اور کبھی خصوص اور بعضیت کے لئے ہوتے ہیں (توضیح تلویح صـ۱۵۹)

امام عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی (م ۷۱۰ھ) منار میں لکھتے ہیں یحتملان العموم و الخصوص و اصلہما العموم کہ مَن اور مَا دونوں عموم اور خصوص کا احتمال رکھتے ہیں اور اصل ان دونوں کا عموم ہے۔ ملّا جیون صدیقی (م ۱۱۳۰ھ) کہتے ہیں یعنی انہما فی اصل الوضع للعموم و یستعملان فی الخصوص بعارض القرائن (نور الانوار صـ۷۵) کہ یہ دونوں مَن اور مَا اصل وضع میں تو عموم کے لئے ہیں اور خصوص میں بوجہ قرائن مستعمل ہیں۔

شخص ہی نہیں بلکہ ایک جماعت مراد ہے کہ ان میں سے ہر ایک کسی ملک میں علوم شرعیہ کے کسی ایک فن یا کئی فنوں میں جس قدر اس سے ہوسکے تقریر یا تحریر کے ذریعہ دین کی تجدید کرے گا اور اس کے باقی رہنے کا سبب بنے گا اور اس کے ذریعے سے دین مٹ جانے اور ختم ہو جانے سے محفوظ رہے گا یہاں تک کہ امر الٰہی آجائے۔

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ) فرماتے ہیں :-

قد تبادر الی افہام اقوام ان المراد بہ واحد من علماء الامۃ امتاز من بین اہل زمانہ بتجدید الدین ونصرتہ وترویج السنۃ وتقویتھا وقمع البدعۃ وتضعیفھا ونشر العلم حتی عینہ قوم بانہ فی المائۃ الاولی فلان وقال صاحب جامع الاصول الاولی الحمل علی الاولی فانہ لفظۃ من یقع علی الواحد والجمع ولا یخص ایضا بالفقہاء بل یعم اولیٰ۔

(لمعات التنقیح ج ۱، ص ۲۹۳)

عام طور پر لوگوں نے اس حدیث (تجدید) سے یہ سمجھا ہے کہ علمائے امت میں ایک شخص ہوگا جو اپنے زمانہ میں دین کی تجدید اور نصرت اور سنت کی ترویج اور تقویت اور بدعت کے قلع قمع اور کمزور کرنے اور علم کے پھیلانے میں ممتاز ہوگا حتیٰ کہ انہوں نے متعین کیا ہے کہ فلاں آدمی پہلی صدی کا مجدد ہے (اور فلاں دوسری صدی کا وغیرہ) اور صاحب جامع الاصول نے کہا ہے کہ عموم پر حمل کرنا بہتر ہے کیونکہ کلمہ مَن واحد اور جمع دونوں پر بولا جاتا ہے اور فقہائے کرام کے ساتھ ہی (تجدید) خاص نہیں بلکہ تعمیم بہتر ہے۔

شاہ عبدالحق مزید لکھتے ہیں کہ اگر شہروں کے عموم کا بھی اعتبار کریں اسطرح کہ وہاں ایک زمانہ میں ایک شخص یا جماعت اس شان کی ہو تو کچھ بعید نہیں ہے۔

اسی طرح ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ صاحب جامع الاصول نے کہا ہے کہ علماء نے اس لفظِ مَن کے مفہوم اور تاویل میں کلام کی ہے اور ہر ایک نے اپنے مذہب کے عالم کے مجدد ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے اور حدیث کو اس پر حمل کیا ہے اور اولیٰ یہ ہے کہ اس عموم پر حمل کیا جائے کیونکہ لفظِ مَن واحد اور جمع پر بولا جاتا ہے اور اس کو فقہاء کے ساتھ مخصوص نہیں کرنا چاہیے کیونکہ فقہاء سے اگرچہ امت کو نفع کثیر پہنچا ہے لیکن اولی الامر (بادشاہوں) اور محدثین و قراء و واعظین اور زاہدین سے بھی امت کو بہت نفع پہنچا ہے چنانچہ دین اور قوانینِ سیاست کا تحفظ اور عدل و انصاف کا پھیلانا اولی الامر ہی کا کام ہے اور اسی طرح قراء اور محدثین قرآن اور حدیث کا ضبط کرتے ہیں جو کہ شرع کے اصول اور دلائل ہیں اور علماء و واعظین اپنے مواعظِ حسنہ سے لوگوں کو فائدہ اور نفع پہنچاتے ہیں اور تقویٰ و پرہیزگاری کی ترغیب دیتے ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے اپنے فن میں مہارتِ تامہ رکھتے ہوں (ورنہ نہیں) (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۱ ص ۳۰۲)

علامہ جلال الدین سیوطی مرقاۃ الصعود میں لکھتے ہیں کہ علامہ ابن الاثیر (م ۶۳۰ھ) نے کہا ہے:

وذھب بعض العلماء الیٰ ان الاولیٰ ان یحمل الحدیث علیٰ وجہ العموم فان قولہ صلی اللہ علیہ وسلم من یجدد لھا دینھا لا یلزم منہ ان یکون المبعوث علیٰ رأس المائۃ واحدا بل قد یکون واحدا و قد یکون اکثر۔

کہ بعض علماء نے اس طرف میلان کیا ہے کہ حدیث (تجدید) کو عموم پر حمل کرنا چاہیے

کیونکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک من یجدد لہا دینہا سے یہ لازم نہیں کہ مجدد جو صدی پر مبعوث ہو وہ ایک ہی ہو بلکہ کبھی ایک ہوتا ہے اور کبھی زیادہ ہوتے ہیں۔ علامہ ابو جعفر نحاس (م ۳۳۸ھ) اپنی کتاب ناسخ اور منسوخ میں فرماتے ہیں:

وذهب بعض العلماء ان يحمل الحديث على عمومه فلا يلزم ان يكون المبعوث على رأس المائة رجلا واحدا بل قد يكون واحدا فاكثر۔ (عون المعبود شرح ابی داؤد ج ۴ ص ۱۳۲)

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ ایک صدی میں متعدد مجدد ہو سکتے ہیں اور حدیث تجدید کو عموم پر حمل کرنا ہی بہتر ہے اسی لئے علماء کرام نے ایک ایک صدی میں متعدد مجددین کا تذکرہ کیا ہے جیسے کہ عنقریب آئے گا۔

مُجدّد کے اوصاف

مجدد کی صفت یہ ہے کہ وہ سنّت کو بدعت سے جدا رکھنے کی کوشش کرے اور لوگوں کو سنت پر عمل کرنے کی تلقین کرے اور بدعات سے روکے علم دین کی اشاعت کرے اور علماء کا احترام کرائے۔

حضرت رئیس الحنفیہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ حدیث تجدید کی تشریح میں لکھتے ہیں:

ای يبين السنة من البدعة ويكثر العلم ويعز اهله ويقمع البدعة ويكسر اهلها (مرقات ص ۳۰۲)

کہ مجدد وہ ہوگا جو کہ سنت کو بدعت سے جدا کرے گا اور علم کی بکثرت اشاعت کریگا اور اہل علم کی عزت و تکریم کرائے گا اور بدعت کا خاتمہ کرے گا اور اہل بدعت کا زور توڑ دے گا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی مجدد کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مجدد تجدید و نصرت دین اور ترویج و تقویت سنت اور بدعت کے قلع قمع اور

بدعت کی تضعیف ونشرِ علوم اور اعلائے کلمۂ اسلام کے ساتھ اپنے اہلِ زمانہ میں ممتاز ہوگا۔ (لمعات التنقیح ص ۲۹۲)

علامہ عبدالحی انصاری (م ۱۳۰۴ھ) لکھتے ہیں :-

" علامات وشروطِ مجدّد این است کہ عالم باشد بہ علومِ ظاہرہ و باطنہ و نفع از تدریس و تالیف و تذکیر او شائع باشد۔" (مجموعہ فتاویٰ ص ۶)

کہ مجدّد کے علامات وشروط یہ ہیں کہ وہ علومِ ظاہرہ و باطنہ کا عالم ہوگا اور اس کی تدریس و تالیف و تذکیر (وعظ ونصیحت) سے عام نفع پہنچے گا، و در احیائے سنن و محوِ بدعات سرگرم بود (اور وہ سنتوں کے زندہ کرنے اور بدعتوں کے مٹانے اور ختم کرنے میں سرگرم اور تیز ہوگا۔

مجدّد کے جو اوصاف اور شرائط ذکر ہوتے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مجدّد کا یہ کام ہے کہ کتاب و سنت پر جو لوگوں نے عمل چھوڑ دیا ہو لوگوں سے دوبارہ عمل کرانے کی کوشش کرے۔ لوگوں نے دین میں جو غلوّ اور افراط و تفریط شروع کر رکھی ہو اس کو روکے اور حق و باطل میں تمیز کرائے اور دین کو اصلی صورت میں جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اور تابعین اور تبع تابعین میں تھی مسلمانوں میں رائج کرے اور اس کی مؤثر تبلیغ اور صحبت کے اثرات سے کثیر التعداد لوگ اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہو جائیں، ایسے صفات کا حامل اور مصداق شخص مجدّدِ دین کہلاتا ہے گویا کہ مجدّد کے لئے ضروری ہے کہ وہ علم و فضل میں آفاقی شہرت رکھتا ہو اور امورِ دین میں مرجعِ خلائق ہو، علوم ظاہرہ و باطن میں اپنی مثال آپ ہو، سنتِ رسول کا نگہبان ہو، بدعت کا مٹانے والا ہو اور مجدّد کا علم اور پتہ اس کی دینی خدمات سے ہوگا۔ اس کے ہم عصر علماء اس کی دینی خدمات اور علم و فضل کے پیشِ نظر اس کے مجدّد ہونے کا حکم کر سکتے ہیں۔

مجدد کے اوصاف میں ذکر ہو چکا ہے کہ وہ اہلِ علم کی عزت کراتا ہے، چونکہ حضرت امام الاولیاء والاتقیاء حافظ پیر سید جماعت علی شاہ محدثِ علی پوری چودھویں صدی کے مجدد تھے، آپ علماءِ کرام کی عزت کراتے تھے۔ سیرتِ امیرِ ملت میں ہے کہ آپ علماءِ کرام کی بہت زیادہ خدمت کرتے تھے۔ نقد، لباس اور دوسرے تحائف سے ان کو نوازتے تھے، اگر وہ لینے سے انکار کرتے تو آپ باصرار لینے پر مجبور کرتے اور فرماتے مولوی جی! دینا مشکل ہے لینا مشکل نہیں، لے لو! میں دے کر واپس نہیں لیا کرتا عجیب بات ہے کہ آپ کو لینا بھی مشکل ہو رہا ہے۔ علماءِ کرام کی خدمت، یہ بھی ان کی عزت واحترام ہے، مجددِ دین وملت حضرتِ امیرِ ملت علماءِ کرام کی خود بھی تعظیم کرتے اور لوگوں سے بھی فرماتے کہ ان کی تعظیم اور عزت کرو۔

حضرتِ امیرِ ملت کی دینی اور اسلامی خدمات

مجدد کی مرکزی صفت دینِ حق کی تبلیغ ہے۔ حضرتِ امیرِ ملت کے دینی اور اسلامی خدمات بے شمار ہیں جن کا احاطہ تحریر میں لانا مشکل ہے۔ ہم ناظرین کے سامنے آپ کی دینی خدمات کی ایک جھلک پیش کرتے ہیں۔

سیرتِ امیرِ ملت میں ہے کہ حضرتِ امیرِ ملت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی نوجوانی کے زمانے میں تمام ملک ہندوستان میں کفر و ظلمت کا دور دورہ تھا اور اسلام کو کسی ایسی اولوالعزم ہستی کی انتظار تھی جو تاریکیوں کو مٹا کر نورِ ایمان سے دلوں کو روشن کر دے، کفر والحاد کا عقاب ہر طرف شکار کی تلاش میں گرمِ پرواز تھا اور ڈرے سہمے کلمہ گو گوشہ نشینی ہی میں عافیت سمجھ رہے تھے، اگر ایمان کی بجلی کبھی گمراہی کے تاریک پردوں کو چاک کرتی تو اپنی شپرہ چشمی کی بدولت خلقت اس روشنی سے فیض پانے سے محروم رہتی۔ عوام الناس عادات واخلاق اور اعمال وافعال کے لحاظ سے کفر میں ایسے رنگے ہوئے تھے کہ اسلامی نشان وامتیاز سے یکسر بیگانہ تھے۔ غیر اسلامی رسوم وشعائر کو دین

ایمان سمجھ بیٹھے تھے، کافرانہ رواج اس قدر عام تھے کہ بے چاروں کو خدا و رسول کی تعلیمات سے یکسر بیگانگی تھی۔ کفر و شرک کے پجاری رشد و ہدایت سے نبرد آزما تھے اور ہندوستان سے اسلام کا نام مٹانے پر کمربستہ تھے۔ غرضیکہ پورا برِّ صغیر شمال سے جنوب اور مشرق سے مغرب تک اسپین میں اسلام کے آخری دور سے مماثل نظر آتا تھا۔ ایسے وقت میں جبکہ روشیں ویران اور آبجوئیں خشک ہو چکی تھیں کہ اچانک ابرِ رحمت نمودار ہوا گلزارِ عالم میں آثارِ حیات ہویدا ہوئے اس کا تقاطر بہار آفرین اور مردہ زمین کو حیاتِ جاوداں بخشنے والا تھا۔ انسانیت کے پژمردہ چہرے پر رنگِ شباب نکھرنے لگا، بادِ خزاں کے بزہیت خوردہ درختوں کی عریاں شاخوں کو از سرِ نو خلعتِ برگ و بار عطا ہوا کہ وہ آفتاب عالمتاب طلوع ہوا۔

اس نیرّ اعظم نے شب و روز سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے ان سرنگوں مسلمانوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اُن کو بینا و روشن کر دیا اور ان کے ظلمت کدوں میں پہنچکر اُن کے تاریک ترین گوشوں کو منوّر و ضوفشاں کر دیا، ان سیاہ ذرّوں کو تابندہ ستارے بنا دیا، اپنی تمازتِ عالمتاب سے پژمردہ دلوں کو گرمایا اور تازہ خون پیدا کیا، خوابیدہ احباب کو جگایا اور ہوشیار کیا اور میدانِ عمل میں لا کھڑا کیا اور پھر اُن سے کام لیا حالانکہ اس وقت نہ کوئی واعظ تھا نہ وعظ سننے والا، نہ جلسہ تھا نہ جلوس، نہ انجمن تھی نہ کارکن، صرف مجدّدِ دین و ملّت حضرت امیرِ ملّت قبلۂ عالم علیہ الرحمہ ہی سب کچھ تھے اور آپ نے یکّا و تنہا اصلاحِ دین کا بیڑا اٹھایا۔

سب سے پہلے حضرت امیرِ ملّت نے علی پور سیداں کی اصلاح فرمائی۔ الاقرب فالاقرب کا اصول اور سنتِ نبوی کا مکمل اتباع منظور تھا۔ یہاں سادات کرام کا اثر تھا اس لئے آپ کو اپنے مقصد میں بہت جلد کامیابی ملی، اس کے بعد آپ

آس پاس کے دیہات کی جانب توجہ کی اور ان کی اصلاح کے بعد دور دور کے دیہات اور قصبات تک اپنے دائرہ عمل کو بڑھایا، اسی طرح پنجاب کے شہروں میں تبلیغ و ارشاد فرمائی۔ پنجاب کے بعد دہلی اور یو پی اور اس کے بعد سی پی، دکن اور مشرق اور مغرب کے دوسرے شہروں اور مضافات میں احیائے دین اور تجدید اسلام کے لیے ہر طرح کی صعوبتوں اور ریاضتوں کو آسان جان کر سفر فرماتے اور اس مقصدِ عظیم کی تکمیل فرماتے۔

حضرتِ امیرِ ملت رحمۃ اللہ علیہ جس جگہ پہنچتے وہاں مسجد میں قیام فرماتے، اگر کسی گاؤں میں تشریف لے جاتے اور وہاں مسجد ویران اور غیر آباد ہوتی تو وہیں اپنے رفقاء کے ساتھ قیام فرماتے۔ نماز کا وقت آتا تو اذان دیجاتی جس کو سن کر کبھی کوئی آجاتا اور کبھی کوئی بھی نہ آتا۔ ایسی صورت میں آپ خود گھر گھر جاکر لوگوں کو نماز کے لیے بلاتے۔

ایک دفعہ کا واقعہ خود حضور نے بیان فرمایا تھا کہ آپ ایک گاؤں کی غیر آباد مسجد میں جاکر قیام پذیر ہو گئے۔ نماز کے وقت ایک شخص آیا، اذان دی اور چلا گیا۔ آپ نے تعجب فرمایا کہ یہ شخص اذان دے کر نماز پڑھے بغیر کیسے چلا گیا۔ دوسری نماز کے وقت وہ آیا اور اذان دے کر جانے لگا تو آپ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور دریافت فرمایا کہ تم اذان دیتے ہو، نماز کیوں ادا نہیں کرتے؟ اس نے جواب دیا نماز تو گاؤں میں کوئی بھی نہیں پڑھتا، اذان میں اس لیے دیتا ہوں کہ اس خدمت کی مجھے اجرت ملتی ہے، اگر لوگ اذان کی آواز نہیں سنیں گے تو مجھے فصل پر گندم نہیں دیں گے۔ حضرتِ امیرِ ملت نے اسے روک کر نماز پڑھائی اور پھر دوسروں کو نماز کی اہمیت جتا کر مسجد میں لائے اور مسجد کو آباد فرمایا نیز ان کو احکامِ شرعی کی تعلیم دی اور اسلام کے ارکان پر کاربند رہنے کی تلقین فرمائی۔

حضرت امیرِ ملت قدس سرہ جس گاؤں اور مقام پر پہنچتے وہاں لوگوں کو از سرِ نو مسلمان بناتے، ان کو کلمۂ طیبہ یاد کراتے اور روزے کی سخت تاکید فرماتے ارکانِ اسلام سکھاتے، شرعی مسائل بتاتے۔ پابندئ شریعت اور اتباعِ سنت کا راستہ دکھاتے سمجھاتے۔ جزئی اور فروعی احکام اور مسائل سکھاتے، غیر اسلامی رسموں اور رواجوں سے منع کرتے اور ان کو بند کراتے۔ غرض جاہل، ناواقف اور بے خبر نام نہاد مسلمانوں کو سچا مسلمان بناتے اور ان کو صراطِ مستقیم پر گامزن ہونے کی ہدایت کرتے تھے۔

حضور من جانب اللہ مجددِ دوراں کے مرتبے پر فائز اور تجدید و احیائے دین کے لئے مامور تھے۔ حدیثِ پاک میں ہے کہ بے شک اللہ اس امت میں ہر صدی کے آغاز پر ایسے شخص کو بھیجے گا جو امت کے لئے دین کی تجدید کرے گا۔ بلاشبہ حضرتِ امیرِ ملت قدس سرہ اس حدیثِ نبوی کا مصداق تھے اور آپ ہی چودھویں صدی کے مصلح اور مجدد تھے۔ آپ نے مسلسل و طویل ریاضاتِ شاقہ کو آسان بنا کر طول طویل اور دور دراز مقامات پر پہنچ کر ہر قسم کی مشکلوں اور تکلیفوں کو برداشت کر کے اپنی شبانہ روز محنت و ریاضت سے دینِ حق کی تجدید کی، ارکان و شعائر اسلام کا احیاء فرمایا اور طول و عرض ہندوستان کے نام نہاد مسلمانوں کو صراطِ مستقیم پر گامزن کر کے راہِ نجات پر چلنا سکھایا۔ نصرتِ الٰہی اور اعانتِ ربانی آپ کے ساتھ تھی، چنانچہ اس پورے برِصغیر میں جہاں مسلمانوں میں دینِ متین کی صحیح روح مفقود ہونے لگی تھی۔ آپ نے تجدیدِ دین فرمائی، احیائے دین کیا اور مسلمانوں کو قرآن و حدیث کی راہ پر چلنا سکھایا اور اس طرح جہادِ اکبر یعنی تبلیغِ دین و احیائے اسلام کے فرائض بیک وقت انجام دے کر اس چودھویں صدی ہجری کے مجدد کے منصبِ جلیلہ پر تاحیات العمر فائز رہے۔

اور دیہات کے مسلمانوں میں کتنی ہی ہندوانہ رسمیں عام طور پر رائج تھیں، ان کو پتہ ہی نہ تھا کہ بہت سی رسمیں خلافِ شریعت ہیں، وہ اپنے اجداد کی رسموں کو صحیح سمجھتے تھے اور کوئی بتانے والا نہ تھا کہ وہ اس طرح واضح طور پر کفر کا ارتکاب کر رہے ہیں، راجپوت اور جاٹ قبائل کے جو لوگ مسلمان ہوئے تھے وہ بیچارے ایسے بہت سے خلافِ شرع اعمال پر قائم تھے، اس زمانہ میں مسلمانوں میں مشرکانہ رسوم رائج تھیں جنکی بجا آوری وہ ضروری سمجھتے تھے۔

آپ پہلی مرتبہ موضع نکودر ضلع جہلم تشریف لے گئے، وہاں ایک درخت کی جڑ میں بہت بڑا پتھر گڑا ہوا تھا، ان مسلمانوں کا عقیدہ یہ تھا کہ جس کی گائے بھینس نیا دودھ دینے والی ہو وہ پہلی مرتبہ سارا دودھ اس پتھر پر لاکر ڈالے تو اس کے تھنوں سے خون آنے لگے گا۔ اس عقیدے کے مطابق سب لوگ پہلی مرتبہ دودھ اس پتھر پر لاکر ڈال دیتے تھے۔ جب حضرتِ امیرِ ملت کو ان کی اس مشرکانہ رسم کا علم ہوا تو آپ نے حکم دیا کہ اس پتھر کو یہاں سے اکھاڑو اور فرمایا کہ ہم آج نکودر والوں کے خدا کو دریائے جہلم میں ڈالنے لئے جاتے ہیں، سب کو حکم دیا کہ کوئی آج سے دودھ یہاں نہ ڈالے، اگر کسی کی گائے بھینس کے تھن سے خون آئے گا تو اس کا میں ذمہ دار ہوں اور یوں آپ نے اہلِ نکودر کی اس مشرکانہ رسم کو محو کیا۔

رہتک حصار وغیرہ اضلاع کے دیہات میں جہاں اور بہت سی ہندوانہ رسمیں رائج تھیں انہیں میں بیوہ کا معاملہ بھی تھا، ہندو مذہب کا اصول ہے کہ عورت کسی عمر کی ہو اور اس کا شوہر چاہے اگلے دن ہی مر گیا ہو وہ بیچاری مجبور ہے کہ ساری عمر سسرال میں گذارے اور دوسروں کے رحم و کرم پر بسر کرے

نتیجہ ظاہر تھا کہ بدکاری عام تھی اور بیوہ عورتوں کی حالت زنانِ بازاری سے بدتر بنی ہوئی تھی۔ جب حضرتِ امیرِ ملّت قدس سرہ ان دیہات میں تشریف لے گئے اور آپ کو مشرکانہ رسموں اور کافرانہ رواجوں کا علم ہوا تو آپ نے برملا تبلیغ شروع فرمائی اور وعظ میں برسرِعام اس طرح کی بے دینی کی مذمت کی۔ نکاحِ بیوگان کے مسئلے کو شرح و بسط سے بیان کیا، بیوہ کا نکاح نہ کرنے کو گناہِ عظیم بتایا، شریعت کے مسائل واضح کئے اور زور دیا کہ بیوہ عورتوں کا نکاح کرو اور اس طرح خدا و رسول کے احکام کی تعمیل کر کے اپنی دنیا اور عاقبت سدھارو۔ نکاحِ بیوگان کی ایسی صاف تبلیغ ان لوگوں کے لئے ایٹم بم تھی۔ سب برگشتہ ہو کر مخالفت پر آمادہ ہو گئے اور اعلان کر دیا کہ یہ ہماری خاندانی روایات کے منافی ہے، ہم ایسا ہرگز نہیں ہونے دیں گے۔ حضرتِ امیرِ ملّت قدس سرہ نے بیوہ کا نکاح نہ کرنے کی خرابیاں سمجھائیں بتایا کہ اس بُری رسم کی وجہ سے تمہارے گھروں میں بدکاری کا عام طور پر رواج ہے اور اس طرح تم خداوند تعالےٰ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے احکام کی کئی طریقوں سے سرتابی کر کے اپنی دنیا اور آخرت خراب کر رہے ہو۔ آپ نے اعلان کر دیا کہ میں بیوہ عورتوں کا نکاح کرائے بغیر یہاں سے قدم نہیں اٹھاؤں گا۔

اس پر بات بہت بڑھ گئی، دونوں طرف سے مقابلہ کے چیلنج دئے جانے لگے اور فتنہ فساد کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ حضرتِ امیرِ ملّت نے ان کے بڑوں کو جمع کیا ان کو ساتھ لے کر گھروں کے اندر گئے۔ زمین کھود کر حرام کے نومولود بچوں کے ڈھانچے دکھائے۔ پھر انہیں جنگل لے گئے اور وہاں لے جا کر جا بجا زمین کھدوائی اور حرام کی اولاد کی دفن شدہ لاشیں نکال کر دکھائیں۔ اب تو اُن کی آنکھیں کھل گئیں، وہ اپنی مخالفت پر شرمندہ ہوئے۔ آپ نے احکامِ شریعت کی مصلحتیں اور قدیم غلط رسم کی خرابیاں سمجھائیں تو بالآخر اللہ تعالےٰ نے ان کے دلوں سے کفر کی

تاریکیاں دُور کیں اور وہ حضورؒ کے قدموں میں گر گئے اور اپنے گناہوں سے توبہ کی۔ حضورؒ کے ہاتھ پر بیعت کی اور آیندہ کے لئے احکامِ شریعت پر کاربند ہونے کا عہد کیا۔ ان اضلاع کے دیہات میں اس کے بعد سے نکاح بیوگان نے رواج پایا اور خدا کے فضل وکرم سے ان گھروں نے دولتِ ایمان حاصل کی۔

حضرت امیر ملت رحمۃ اللہ علیہ تبلیغ وارشاد کے لئے برصغیر کے دُور دراز کے علاقوں میں تشریف لے جاتے تھے۔ ہندوستان کے تمام علاقوں کے آپ نے تبلیغی دورے کئے، ضرورت کے مطابق کم یا زیادہ قیام فرمایا اور مخلوقِ خدا کو پیغامِ الٰہی سنایا۔ ہزاروں کی تعداد میں لوگ آپ کے جلسوں میں حاضر ہوتے اور ہدایت پاتے، قیام گاہ پر ہر وقت زائرین ومعتقدین کا تانتا بندھا رہتا۔ پنجاب، سرحد، بہاول پور، سندھ، کراچی، یوپی، سی پی، مدراس، بمبئی، میسور، دکن، حیدرآباد، دہلی، بنگال، آسام اور دور دراز علاقوں میں آپ نے بار بار تبلیغی دورے فرمائے۔ میں یاغستان، افغانستان اور سعودی عرب وغیرہ اور برصغیر کی مسلم ریاستوں اور ہندو ریاستوں میں بھی تشریف لے گئے اور ہر جگہ لوگوں کو اسلام سے روشناس کیا، ان کے ایمان کو بچایا، دین وشریعت کا پابند بنایا، غیر مسلموں کو زیورِ ایمان سے مالا مال کیا اور صراطِ مستقیم پر چلنا سکھایا۔

شیخِ طریقت، رہبرِ شریعت حضرتِ علامہ پیر سید اختر حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۴۰۰ھ) سیرتِ امیر ملت، فتنۂ ارتداد کی بحث میں لکھتے ہیں کہ ہندو درپردہ اپنی مسلم کش تدابیر میں لگے رہے۔ پنڈت مدن موہن مالویہ اور شردھانند کی سرپرستی میں اندر ہی اندر شدھی اور سنگھٹن کی تحریک زور پکڑتی رہی جس کا علم مسلمانوں کو صرف اس وقت ہوسکا جب ہندوؤں کی تحریک بارآور ہونے لگی اور دیہات کے جاہل مسلمان دھڑا دھڑ ہندو مت میں داخل ہونے لگے۔

بعد میں لالہ لاجپت رائے اور سٹر سیتہ دیو جیسے معتدل کانگریسی راہنما کھلم کھلا شدھی اور سنگھٹن کے حامی اور سرپرست بن گئے۔ اس تحریک کا مقصد صرف یہ تھا کہ ہندوؤں کو مکمل طور پر منتظم کیا جائے، ناواقف مسلمانوں کو ہندو مت میں داخل کیا جائے اور جو مسلمان سرنہ جھکائیں ان کو بزور و قوت بھارت سے نکال دیا جائے اور یوں برِصغیر کے تمام اطراف و اکناف میں ہندو اس تحریک میں سرگرمِ عمل تھے لیکن راجپوتانہ اور یوپی کے علاقوں اور ملکانوں کی آبادی پر اُن کی خاص نظر تھی، یہ غریب ملکانے صرف کہنے کو مسلمان تھے، جہالت اور ناواقفیت کا یہ عالم تھا کہ اکثر کو کلمہ بھی نہیں آتا تھا اور بہت سوں کے نام بھی ہندوانہ تھے، لباس، خوراک، رسوم، عادات، اطوار سب ہندوؤں جیسے تھے، پھر ہندوؤں کی مکاریوں کی کوئی حد نہ تھی، ہر جھوٹ اور فریب ان کے لئے روا تھا۔ ہندو مسلمان ملکانوں کے لئے مندر اور کنوئیں تعمیر کرتے، مسلمانوں کے قرضے ادا کرتے، انہیں نقد اور جنس عطیات دیتے، مرتد ہونے پر ہندو لڑکیاں ان کے عقد میں دی جاتیں غرضیکہ ہر قسم کی تدابیر کام میں لاتے تاکہ ان کو گمراہ کرنے میں کامیابی حاصل ہو۔

شدھی (ارتداد) کا یہ فتنہ چپکے ہی چپکے پھیل رہا تھا، جب اس کی خبریں عام ہوئیں تو حضرتِ امیرِ ملت رحمۃ اللہ علیہ کے تبلیغی وفود ملکانوں کی پشت پناہی کیلئے ان اطراف میں پہنچے اور ملکانوں کو دینِ اسلام پر قائم رکھنے اور دینی تعلیم عام کرنے کی کوششوں میں مصروف ہو گئے اور حضور نے بنفسِ نفیس ان مساعی میں زیادہ سے زیادہ حصہ لیا۔ آپ نے فتنۂ ارتداد کے انسداد کے متعلق جو خطبہ فرمایا تھا اس میں حضرتِ امیرِ ملت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ ایک ایسا نازک موقع آگیا ہے جس کی نظیر تاریخ اسلام میں نہیں ملے گی۔ اسلام کی دنیاوی وجاہت کو نہیں دیکھا جاتا بلکہ سرے سے اسلام کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لئے زور دیا جا رہا ہے۔ کوئی مسلمان ایسا

نہیں جس کا دل اس صدمہ سے متاثر نہ ہو۔ بانی اسلام صلے اللہ علیہ وسلم کا تو یہ حکم ہے کہ اپنے مردے بھی اغیار کے ہاتھ میں نہ جانے دو اور یہاں یہ حالت ہے کہ ہمارے زندوں کو اغیار لئے جا رہے ہیں اور ہم خاموش دیکھ رہے ہیں۔ اس وقت تقاضائے حمیتِ غیرتِ اسلامی تو یہ ہے کہ جب تک اس فتنہ کا انسداد نہ ہو۔ ہر مسلمان اپنے اوپر خواب وخور حرام سمجھے اور دامے، درمے، قدمے، سخنے الغرض ہر ذریعہ سے جو خدمتِ اسلام اس سے ممکن ہو دریغ نہ کرے اور جب تک یہ فتنہ فرو نہ ہو اور اس کے بانی ذلیل وخوار ہو کر مر نہ جائیں، اپنی اس سعی کو مسلسل جاری رکھیں۔ ہم میں سے ہر ایک مسلمان کا یہ فرض عین ہونا چاہیے کہ جب تک ہندوستان میں ایک شخص بھی ایسا ہے جو رسولِ عربی فداہ ابی وامی صلے اللہ علیہ وسلم کے آگے سرِ تسلیم خم نہ کر دے اور مذہب اسلام کو نہ اپنا لے اس وقت تک وہ اپنی کوشش میں لگا رہے اور یہ بات تو بدرجۂ اولیٰ فرض ہے کہ جو لوگ بوجہ ناجائز رعب اور طمع نفسانی ہمارے ہم وطنوں کی عیاری سے جادۂ مستقیم سے منحرف ہو گئے ہیں اور صراطِ مستقیم اور اسلام کو چھوڑ گئے ہیں، جب تک وہ سب راہِ راست پر واپس نہ آجائیں اور مسلمان نہ ہو جائیں اس وقت تک اہلِ اسلام کو شب و روز یہی دھن لگی رہنی چاہیے۔

اپنی تقریر کے خاتمہ پر حضرتِ امیرِ ملت نے ارشاد فرمایا کہ میرے یاروں میں زمیندار، کاشتکار، ڈاکٹر، تجار، وکلاء، جنرل، کرنل، امیر، غریب، نواب، رؤسا الغرض ہر طبقہ کے لوگ شامل ہیں۔ میں نے آج تک ان سے یادِ الٰہی کے سوا کوئی فرمائش نہیں کی مگر اب میں کہتا ہوں کہ ہر مسلمان پر بالعموم اور یارانِ طریقت پر بالخصوص فرض ہے کہ وہ انسدادِ فتنۂ ارتداد میں ضرور حصہ لے۔ میں نے تو عزم بالجزم کر لیا ہے کہ اس اہم مقصد کی خاطر سینکڑوں مبلغ میدانِ ارتداد میں بھیجوں گا اور خود بھی موقع پر پہنچ کر اس کارِ خیر میں حصہ لوں گا اور

تبلیغ کا کام سرانجام دونگا اور جب تک برگشتگان دینِ متین کو پھر سے حلقۂ اسلام میں واپس داخل نہ کرلوں گا چین سے نہیں بیٹھوں گا اور مخالفین کے مذہب کی تردید کرکے اس کے پیروکاروں کو اپنے مذہب کا پیروکار بنا کر اسلام سکھا کر مسلمان نہ بنالوں آرام نہیں کرونگا۔

حضرتِ امیرِ ملت رحمۃ اللہ علیہ نے اس فتنۂ ارتداد کے انسداد کے لئے پچاس کے قریب مدارس دینیہ اور مساجد اور شفاخانے قائم کئے اور انجمنیں قائم فرمائیں اور حضور نے میدانِ ارتداد میں خود تبلیغی دورے فرمائے اور علاقہ ارتداد میں حضور کی انتھک کوششوں اور توجہات کا نتیجہ یہ تھا کہ شدھی کا سیلاب رُک گیا۔ سنگھٹن کی عمارت زمین میں دھنس گئی، سینکڑوں اور ہزاروں ملکانے جو مرتد ہو گئے تھے، حقانیت اسلام سے آگاہ ہو کر دوبارہ دامنِ اسلام میں آگئے۔ انہی میں سے بہت سے تبلیغ اسلام میں سرگرمِ عمل ہو گئے، سینکڑوں نے کلامِ مجید پڑھ لیا، ہزاروں خواندہ بن گئے اور اپنا اور دوسروں کا کام انجام دینے کے لئے اغیار کے محتاج نہ رہے، کتنے تھے جن کو اللہ تعالےٰ کے فضل سے حفظِ قرآن کی سعادت حاصل ہوئی، مشرکانہ رسوم اور ہندووانہ رواج ترک کر دئے گئے اور ان کی جگہ شعائرِ اسلام کو رواج ہوا، ہندوؤں کی تقلید میں مشرکوں کی وضع اختیار کرنے تلک لگانے، چوٹیاں بڑھانے، ڈنڈوت کرنے اور اس طرح کی دوسری کافرانہ رسوم سے مسلمان پرہیز کرنے لگے اور ان کی بجائے اسلامی صورت۔ السلام علیکم اور دوسرے اسلامی شعائر پر کاربند ہو گئے۔

۱۹۲۱ء میں ہندوستان کی قانون ساز اسمبلی میں ایک ہندو رکن پنڈت ہر بلاس سارڈا نے ایک بل پیش کیا جس کا منشا یہ تھا کہ اٹھارہ سال سے کم عمر لڑکوں اور بارہ سال سے کم عمر لڑکیوں کی شادی قانوناً ممنوع قرار دی جائے جو کوئی ایسے کم عمر بچوں کی شادی کرے اس پر فوجداری مقدمہ قائم کرکے سزا دی جائے۔

نکاح کرادوں گا۔

انگریز حکومت بھی حضرتِ امیرِ ملت قدس سرہ کے جوشِ ایمان، ولولۂ تبلیغ، اثر و نفوذ اور ہمت و حوصلہ سے خوف کھاتی تھی لہٰذا حکومتِ انگریز کو یہ ہمت نہ ہوئی کہ اس قانون کو ملک میں نافذ کرے۔ حضرتِ امیرِ ملت کے فرمان کے مطابق شہر شہر اور قریہ قریہ میں احتجاجی جلسے منعقد ہوئے، اخبارات میں کارروائیاں شائع ہوئیں اور احتجاجی مراسلات کا تانتا بندھ گیا۔ وائسرائے ہند کے دفتر میں ان گنت تار اور خطوط موصول ہوئے۔ غرضیکہ حضرتِ امیرِ ملت کی جرأتِ ایمانی، غیرتِ دینی اور اثرِ روحانی کی بدولت اس فتنہ کا کامل سدِ باب ہو گیا۔

سیرتِ امیرِ ملت باب تبلیغ وارشاد میں ہے کہ جب مرزا غلام احمد قادیانی نے نبوت کا دعویٰ کیا تو مسلمان بے حد مضطرب ہوئے۔ سب علماء اور صلحاء نے اس کے دعویٰ کی تکذیب کی اور دینِ متین میں اس نئے رخنہ کے سدِ باب کرنے کی مساعی میں مصروف ہو گئے۔ حضرتِ مجددِ دین و ملت الحاج پیر حافظ سید جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ اس جماعت کے سرخیل بنے رہے اور ابتداء سے کامل سرگرمی کے ساتھ مرزا کی مخالفت اور تکذیب فرماتے رہے، جہاں ضرورت ہوتی آپ فوراً پہنچ کر انسدادی اور تبلیغی کام شروع کر دیتے اور مسلمانوں کے دین و ایمان کے تحفظ میں مشغول ہو جاتے۔

مرزا اور مرزائیوں سے ان مخالفتوں اور مخاصمتوں کی داستان بہت طویل ہے مگر کچھ تفصیل لکھی جاتی ہے جس سے حضرتِ امیرِ ملت رحمۃ اللہ علیہ کے طریقِ کار، جوش و عزم اور کامرانی و فتحمندی کا اندازہ ہو سکے گا۔

نومبر ۱۹۰۴ء میں سیالکوٹ کے مسلمان وفد بنا کر حضور کے پاس آئے اور اطلاع دی کہ مرزا غلام احمد اپنے مذہب کی تبلیغ کے لئے سیالکوٹ آنے والا ہے

آپ فوراً سیالکوٹ پہنچ گئے اور مختلف بازاروں، محلوں اور مسجدوں میں بڑے پیمانے پر جلسے منعقد کئے، دوسرے علماء کو بھی باہر سے دعوت دے کر بلایا۔ دوسروں کی تقریروں کے بعد آپ خود وعظ کہتے اور ختمِ نبوت کے مسئلے کو تفصیل سے سمجھاتے اور دینِ متین اور عقائدِ حقّہ پر قائم رہنے کی تاکید فرماتے تھے۔ حضورؒ فرماتے کہ دوسری نئی چیزوں کے اختیار میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن دین اپنا وہی پرانا رکھو چنانچہ آپ نے کم و بیش ایک ماہ سیالکوٹ میں قیام فرمایا۔ اس دوران تمام اجتماعات کا بار خود برداشت کیا۔ اپنے اور رفقاء کے لئے گھر سے برابر سامانِ خورد و نوش منگواتے رہے۔ مسلمانانِ سیالکوٹ نے ان اجتماعات اور مواعظِ حسنہ سے کامل فیض پایا اور خدا کے فضل سے مرزا کو تمام عمر یہ ہمت نہ ہوئی کہ سیالکوٹ کا رُخ کرتا۔ اسی طرح ایک بار مسلمانانِ لاہور کا ایک وفد علی پور سیداں آیا اور حضرتِ امیرِ ملّت رحمۃ اللہ علیہ سے مرزا کے مقابلے کے لئے لاہور چلنے کی درخواست کی۔ حضورؒ اس دن بروز جمعہ ۲۲ مئی ۱۹۰۸ء کو لاہور تشریف لے گئے، بادشاہی مسجد میں جمعہ پڑھایا اور جمعہ کے بعد وعظ فرمایا۔

حاجی مہتاب دین اس جلسہ میں موجود تھے، کہتے تھے کہ نماز کے بعد شمس العلماء مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحب ٹونکی، مولانا مولوی سید اصغر علی صاحب روحی، مولانا حافظ احمد علی صاحب اور دیگر علمائے لاہور نے جلسے میں تقریریں فرمائیں اور مرزا کے عقائدِ باطلہ کی تردید کی۔ آخر میں حضرتِ مجدّدِ دین و ملّت حضرتِ امیرِ ملّت قدس سرّہ نے تقریر فرمائی۔ دورانِ تقریر آپ نے فرمایا میری عادت پیشین گوئی کرنے کی نہیں ہے، البتہ اس سے قبل نومبر ۱۹۰۴ء میں ایک دفعہ مرزا کے مقابلے میں میری زبان سے چند کلمات بطور پیشین گوئی کے نکل گئے تھے، جس کا ایک ایک لفظ اللہ تعالیٰ نے پورا فرما دیا اور تھوڑے ہی عرصے کے بعد مرزا کا حواری عبدالکریم ذلت کی موت مر گیا۔ اب پھر میرے دل میں بار بار خیال آ رہا ہے جسے باوجود کوشش کے

ضبط نہیں کر سکتا اور وہ خیال یہ ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی عنقریب ذلت اور رسوائی کی موت مریگا اور تم اس کی موت اپنی آنکھوں سے دیکھو گے۔ میری اس پیشین گوئی کو مرزا کی پیشین گوئی نہ سمجھو۔

اس جلسہ میں آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر مرزا میرے روبرو آکر اپنے دعویٰ رسالت کو صحیح ثابت کردے یا کوئی روحانی طاقت دکھا دے تو میں اسے پانچہزار روپے بطور نقد انعام کے دینے کے لئے تیار ہوں۔ حضور نے یہ بھی اعلان کیا کہ جب تک مرزا یہاں سے چلا نہ جائے میں لاہور سے نہیں جاؤنگا۔ پھر آپ نے حاضرینِ جلسہ سے دریافت کیا کہ وہ نبوت کا دعویٰ کرنے والا کہاں ٹھہرا ہوا ہے، وہ تو ہمارے سامنے آنے کی کیا ہمت کرے گا چلو ہم اس کے پاس چلتے ہیں۔ حاضرینِ جلسہ نے عرض کیا کہ وہ خواجہ کمال دین کے مکان پر قیام پذیر ہے۔ خواجہ کمال دین کے مکان کے سامنے ایک بڑا باغ تھا۔ اس باغ میں حضرت امیرِ ملت کے ایک غلام اور مرید غلام محمد صاحب ٹمبر مرچنٹ نے شہتیروں کا ایک بڑا اسٹیج قائم کیا۔

حضور شام کی نماز بلاناغہ جلسہ گاہ میں جماعت کے ساتھ ادا کرتے تھے، جلسہ گاہ کے قریب ہی بڑے پیمانے پر حضرت امیرِ ملت رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے کھانے پکانے کا اہتمام ہوتا تھا۔ تمام مسلمان بلا امتیاز اس خوانِ یغما پر ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے، عشار کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کی جاتی اور پھر نصف شب کے بعد تک جلسہ جاری رہتا۔ یہ جلسے اور اہتمام اور دعوت ہر روز ہوا کرتے۔ حضور کی دعوت پر باہر سے بھی بہت سے علمار تشریف لائے ہوئے تھے جو وقتاً فوقتاً اپنے مواعظِ حسنہ سے فیض یاب کرتے اور آخر میں حضرتِ امیرِ ملت قدس سرہ مسائل بیان فرماتے ختمِ نبوت پر طرح طرح سے روشنی ڈالتے اور مرزا کو مقابلے میں آنے کی دعوت

دیتے تھے مگر مرزا کو کبھی آپ کے سامنے آنے کی ہمت نہ ہوئی۔ آخر کار ۲۵، ۲۶ مئی کی درمیانی رات کو حضور نے اعلان فرمایا کہ میں مرزا کو چوبیس گھنٹے کی مہلت دیتا ہوں کہ وہ اگر میرے ساتھ مباہلہ کرے، پھر سب لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میں آپ سب کے روبرو اعلان کرتا ہوں کہ خدا کے فضل و کرم سے وہ میرے مقابلہ کو نہیں آئے گا۔ چوبیس گھنٹے کے اندر اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں اس جھوٹے نبی سے ہمیں نجات عطا فرمائے گا (اور مرزا کی موت واقع ہو جائے گی)۔

مرزا غلام احمد نے ایک بار کہا تھا کہ جو کوئی ہیضے کی موت مرے گا وہ کتے کی موت مریگا، آسمان کا تھوکا منہ پر آیا جس رات حضرتِ امیرِ ملت رحمۃ اللہ علیہ نے پیشین گوئی فرمائی تھی اس رات تھوڑی دیر بعد مرزا کو ہیضہ ہوا۔ نصف شب گزرنے تک مرض نے شدت اختیار کر لی۔ کہتے ہیں کہ منہ سے بھی قے میں نجاست نکلتی تھی۔ آخر کار ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کی صبح تک مرزا غلام احمد قادیانی اپنے مقام فنا کی طرف کوچ کر گیا۔

جب حضورِ امیرِ ملت کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ مرزا مر گیا ہے تو آپ سنتے ہی سجدۂ شکر بجا لائے۔ ربّ العزّت کا شکر ادا کیا کہ اس نے مسلمانوں کے ایمان کو محفوظ رکھا، اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت ظاہر فرمائی اور مسلمانوں کو صراطِ مستقیم پر قائم رکھا۔

تھوڑی سی دیر میں یہ خبر لاہور میں ہر طرف عام ہو گئی۔ مسلمان نے جگہ جگہ مسجدوں، محلّوں اور بازاروں میں شکرانے کے جلسے منعقد کئے۔ ان میں سے بیشتر جلسوں میں حضرتِ امیرِ ملت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ خود شریک ہوئے اور اپنے مواعظِ حسنہ سے لوگوں کو مستفید کرتے رہے۔ اس سلسلے میں تین روز تک اسلامیہ کالج کے میدان میں جلسے منعقد ہوتے رہے جن میں بے شمار لوگ شریک تھے۔ پھر شہر لاہور میں جگہ جگہ دوسرے جلسے منعقد ہوئے، ان میں بھی بڑا مجمع ہوتا تھا۔ ان تمام جلسوں میں

بے شمار لوگ قادیانی مسلک سے تائب ہو کر دوبارہ حضرت امیرِ ملت رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ اقدس پر مسلمان ہوئے۔ (سیرت امیر ملت ص ۲۴۹)

حضرت امیرِ ملت کے خلیفہ مجاز حضرت مولانا خیر شاہ[عہ] رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ حضرت امیرِ ملت رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر کئی لوگ کفر و شرک سے تائب ہو کر مشرف بہ اسلام ہو گئے ہیں جن کی فہرست تو پیش کرنی مشکل ہے مگر کچھ قدرے پیش کرتا ہوں:

○ ایک شخص علاقہ میسور میں مدتِ دراز سے عیسائی مذہب کا پابند تھا بفضلِ خدا حضرت امیرِ ملت کے ہاتھ پر مع بیوی مسلمان ہو گیا، مرد کا نام غلام نقشبند اور عورت کا نام غلام فاطمہ رکھا گیا۔

○ ایک شخص کے تین بھائی مسلمان ہو چکے تھے، یہ چوتھا بھائی مسلمان نہ ہوتا تھا آخر حضرتِ امیرِ ملت کے ہاتھ پر مسلمان ہوا جس کا نام غلام محمد رکھا گیا۔

○ کوہ نیلگرہ میں ایک عورت قابلہ حضرت کے ہاتھ پر اسلام لائی جس کا نام غلام فاطمہ رکھا گیا۔

○ علاقہ میسور و بنگلور میں قریباً نو آدمی ہندو مسلمان ہوئے۔

○ ایک شخص رحمت علی ساکن موضع پنجگرائیں ماہ جنوری ۱۸۹۶ء میں عیسائی ہو گیا وہی شخص ۱۸۹۷ء میں آپ کے دستِ حق پرست پر مسلمان ہوا۔

○ ایک شخص عبداللہ نامی عیسائی ہو گیا جو ۲۶ ذی القعدہ ۱۳۱۲ھ کو آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوا۔

○ ایک شخص حافظ نبی بخش ارقسری عیسائی ہو گیا وہ بھی آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوا۔

○ ایک شخص محمد عاشق قصوری عیسائی ہو گیا وہ بھی آپ کے ہاتھ پر اسلام لایا،

عہ حضرت مولانا خیر شاہ حنفی نقشبندی ارقسری (م ۱۳۳۲ھ) (بحوالہ انوار الصوفیہ ص ۲۴۰)

علاوہ ازیں کئی ہندو آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے۔

حضرت مولانا خیر شاہ رحمۃ اللہ علیہ مزید لکھتے ہیں کہ وہ لوگ جنہوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے ان کی تعداد بہت زیادہ ہے جو کہ بلادِ مختلفہ مثلاً کوہ نیلگر ٹاھی، کوہ کنور، کوہ کولار، بنگلور، میسور، پونہ، بمبئی، احمد آباد، دہلی بھوپال، رہتک، فرید کوٹ، فیروز پور، گورداسپور، بیکانیر، قصور، لاہور، امرتسر، جموں، کشمیر، سرہند، حیدر آباد، دکن، بستی، سیالکوٹ، وزیر آباد، گجرات، جلالپور جٹاں، جھنگ، راولپنڈی، کوہاٹ، کوئٹہ، بارامولا، مظفر آباد، پشاور، کراچی، ملتان، میانوالی، ہری پور ہزارہ اور افغانستان وغیرہ میں آباد ہیں اور بفضلہٖ تعالیٰ روزانہ ترقی ہو رہی ہے۔ (خزانۂ تیراہ شریف ص۶)

تبلیغ دین، سنت کا احیاء، علمِ دین کی اشاعت، فتنۂ ارتداد کا انسداد، بدعات کا قلع قمع، کفار کو اسلام میں داخل کرنا، مرتدین کو ان کے شکوک و شبہات دور کر کے پھر مسلمان کرنا، مدارسِ دینیہ کا قیام اور مساجد کی تعمیر، قوانینِ اسلام کا تحفظ اور شعائر کا احترام اور دینِ اسلام کو اصلی شکل میں لوگوں کے سامنے پیش کرنا اور اسمیں افراط و تفریط نہ ہونے دینا، دجّال اور جھوٹے نبی کے ساتھ مقابلہ کرنا اور اس کو دعوتِ مباہلہ دینا اور پھر اس کی موت کے متعلق پیشین گوئی کرنا اور پھر پیشین گوئی کا فی الواقع پورا ہو جانا، یہ تمام ہی صفاتِ مجدّد میں جو حضرتِ امیرِ ملّت قدس سرہ میں علیٰ وجہ الکمال اور کما حقہ پائے جاتے ہیں لہٰذا آپ چودھویں صدی کے بلاشک و شبہ مجدّدِ دین ہیں۔

مجدّدِ زمانہ کی تحقیق

حدیثِ تجدید میں فرمایا گیا ہے کہ اس امت کی اصلاح کیلئے ہر صدی کے سرے پر مجدّد بھیجتا رہے گا۔ صدی سے کیا مراد ہے؟ اس میں علماءِ کرام نے اختلاف کیا ہے، بعض نے اس صدی سے

صدی ہجری مراد لی ہے۔ ملا علی قاری علی رأس کل مائۃ سنۃ کی تشریح میں لکھتے ہیں ای انتہائہ او ابتدائہ اذا قل العلم والسنۃ وکثر الجہل والبدعۃ یعنی ایک صدی کے آخر یا دوسری صدی کے ابتداء میں جبکہ علم اور سنت کمی ہو جائے اور جہالت و بدعت کی زیادتی ہو جائے۔

شاہ عبدالحق محدث دہلوی اس حدیثِ تجدید کی توضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں المراد بالرأس اخر المائۃ او قریب من اخرھا راس سے مراد صدی کا آخر یا اس کے قریب کا زمانہ ہے۔ بعض علماء نے اس حدیث کے لفظ راس کی وجہ سے کسی کے مجدد ہونے کے لئے یہ شرط ضروری قرار دی ہے کہ اس کا تجدیدی کام صدی کے سرے پر (یعنی صدی کے شروع میں یا آخر میں) جاری ہونا چاہئے۔ انہوں نے صدی سے صدی ہجری مراد لی ہے جیسے کہ مولوی عبدالحی انصاری لکھتے ہیں کہ مجدد کے لئے ضروری ہے کہ ایک صدی کا آخر زمانہ اور دوسری صدی کا اول زمانہ اس طرح پائے کہ اس سے علوم مشتہر ہوں اور انتفاع عام طور پر شائع ہو پس اگر اس نے آخری صدی کو نہ پایا، اس سے اس زمانہ میں شریعت کو زندہ کرنے کا انتفاع میسر نہ ہوا تو وہ شخص مجددین سے خارج ہوگا اور اس حدیث (تجدید) کے مفہوم میں داخل نہ ہوگا۔ (مجموعہ فتاوٰی)

اگر حدیثِ تجدید میں صدی ہجری بھی مراد لی جائے تو پھر بھی حضرت امیر ملت رحمۃ اللہ علیہ اس کے مصداق ہیں کیونکہ آپ کی وفات ۱۳۷۰ھ میں ہوئی اور آپ کی عمر مبارک ایک سو پچیس سال ہے اور حضرت امیر ملت نے تیرہویں صدی کا آخر یا پھر چودہویں صدی کا اول زمانہ اس طرح پایا کہ علومِ دینیہ کی تشہیر فرمائی اور دین کی تجدید اور سنت کی ترویج اور اشاعت فرمائی اور تمام لوگ آپ سے مستفیض ہوئے اور آپ کی ذات مبارک تمام مخلوقات کے لئے باعثِ نفع ثابت ہوئی۔

صدی ہجری کے مطابق بھی ثابت ہوا کہ آپ مجدّدِ دین ہیں اور بعض علماء نے کہا ہے کہ علیٰ راس کل مائۃ سنۃ سے مراد صدی ہجری نہیں ہے بلکہ مطلق صدی مراد ہے کیونکہ سنِ ہجری کا نظام تو حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں جاری ہوا جمعرات کے دن ۳۰ رجمادی الثانیہ ۱۷ھ کو حضرتِ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ۱۷ھ کے مشورہ سے سن کا شمار واقعۂ ہجرتِ نبویہ سے کیا گیا اور حضرتِ عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ ام ۳۵ھ کے مشورہ سے محرّم کو اولینِ شہور (ماہ) مقرر کیا گیا۔ (رحمۃ للعالمین ص۱۷۷ ج۲)

جب سنِ ہجری کا نظام حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھا ہی نہیں تو پھر حدیثِ تجدید کے لفظ مائۃ سنۃ سے ہجری صدی مراد لینا درست نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب کل قرن ہوگا اور حدیث میں لفظِ راس زائد ہوگا جیسا کہ عربی میں علیٰ رءوس الاشہاد میں لفظِ رؤس زائد ہے۔ اب حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالےٰ ہر قرن اور ہر دور میں اس امتِ مسلمہ میں ایسے بندے پیدا کرتا رہے گا جو اس امت کے لئے دین کی تجدید کرتے رہیں گے۔

غیر مقلد نواب صدیق حسن خاں (م ۱۳۰۷ھ) نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ راس مائۃ سے مراد خاص صدی کا آغاز نہیں ہے بلکہ مقصد صرف یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ ہر صدی میں مجدد بھیجے گا خواہ صدی کے شروع میں خواہ درمیان خواہ آخر میں اور راس کی قید اتفاقی ہے اور حدیثِ تجدید کا مفاد اور غرض یہ ہے کہ کوئی صدی بھی کسی مجدد کے وجود سے خالی نہ رہے گی اس لئے بعض مجددین اوّل صدی میں ہوئے ہیں اور بعض درمیانی صدی کے اور بعض آخری صدی میں ہوئے ہیں۔ (بحوالہ حجج الکرامۃ ص۱۳۲)

علماءِ کرام نے پہلی صدی کے مجدّد حضرت عمر بن عبد العزیز (م ۱۰۱ھ) اور ابن سیرین (م ۱۱۰ھ) کو لکھا ہے۔ دوسری صدی کے مجدّد امام مالک بن انس

(م ۱۹۹ھ)، امام شافعی (م ۲۰۳ھ)، خلیفہ مامون الرشید (م ۲۱۸ھ)، امام علی موسیٰ رضا (م ۲۰۳ھ)، امام حسن بن زیاد (م ۲۰۴ھ)، امام اشہب مالکی (م ۲۰۴ھ)، حضرت امام معروف کرخی (م ۲۰۰ھ)۔ تیسری صدی کے مجدد امام ابوالحسن علی بن عمر دارقطنی (م ۳۰۶ھ)، ابوجعفر طحاوی (م ۳۲۱ھ)، امام ابوالحسن اشعری (م ۳۲۴ھ)، امام نسائی (م ۳۰۳ھ)، امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ)۔ چوتھی صدی کے مجدد، ابوبکر محمد الخوارزمی الحنفی (م ۳۸۳ھ)، اسمٰعیل بن حماد جوہری (م ۳۹۳ھ)، امام ابوحاتم رازی (م ۳۲۷ھ)۔ پانچویں صدی کے مجدد امام غزالی (م ۵۰۵ھ)، قاضی فخرالدین حسن منصور (م ۵۰۳ھ)، علامہ حسین بن محمد راغب (م ۵۰۲ھ)، امام ابونعیم اصفہانی (م ۴۳۰ھ)، امام ابوالحسن احمد بن محمد بن ابی بکر القدوری (م ۴۲۸ھ)، چھٹی صدی ہجری کے مجدد امام فخرالدین رازی (م ۶۰۶ھ)، امام رافعی (م ۶۲۳ھ)، امام عمر نسفی (م ۵۳۷ھ)، امام ابومحمد حسین بن مسعود الفراء (م ۵۱۶ھ)۔ ساتویں صدی کے مجدد ابوالفضل جمال الدین محمد (م ۷۱۱ھ)، امام ابن دقیق العید (م ۷۰۲ھ)، امام شہاب الدین سہروردی (م ۶۳۲ھ)، خواجہ معین الدین چشتی (م ۶۳۳ھ)، عزالدین علی بن محمد المعروف ابن اثیر (م ۶۳۰ھ)، شیخ محی الدین ابن عربی (م ۶۳۸ھ)۔ آٹھویں صدی کے مجدد حافظ زین الدین عراقی (م ۸۰۶ھ)، خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی (م ۷۲۵ھ)، علامہ تفتازانی (م ۷۹۲ھ)، نویں صدی کے مجدد امام جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ)، امام نورالدین علی بن احمد سمہودی (م ۹۱۱ھ)، امام شمس الدین سخاوی (م ۹۰۲ھ)، امام محمد بن یوسف کرمانی (م ۸۸۶ھ)، امام بلقینی (م ۸۶۸ھ)۔ دسویں صدی کے مجدد امام شہاب الدین قسطلانی (م ۹۱۳ھ)، عارف باللہ امام محمد شیربینی صاحب تفسیر سراج المنیر (م ۹۱۹ھ)، علامہ شیخ محمد طاہر محدث پٹنی صاحب مجمع البحار (م ۹۸۶ھ)۔ گیارہویں صدی کے مجدد، امام ربانی مجدد الف ثانی (م ۱۰۳۴ھ)، ملا علی قاری رئیس الحنفیہ (م ۱۰۱۱ھ)، حضرت سلطان العارفین سلطان باہو (م ۱۱۰۲ھ)، حضرت نوشہ گنج بخش حاجی محمد (م ۱۰۶۴ھ)۔ بارہویں صدی

کے مجدد امام عبدالغنی نابلسی (م ۱۱۴۳ھ)، امام ابوالحسن محمد بن الہادی (م ۱۱۳۸ھ)، ملاجیون صدیقی (م ۱۱۲۵ھ)، تیرھویں صدی کے مجدد بحرالعلوم عبدالعلی لکھنوی (م ۱۲۲۶ھ)، امام صاوی احمد مالکی (م ۱۲۴۱ھ)، احمد بن اسمٰعیل طحطاوی (م ۱۲۳۱ھ)، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۲۳۹ھ)۔ چودھویں صدی کے مجدد قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین نائب رسول اللہ آیۃ من آیات اللہ حضرت امیر ملت پیر سید حافظ **جماعت علی شاہ** محدث علی پوری نور اللہ مرقدہٗ۔

بہرکیف اگر حدیث تجدید کا یہ معنیٰ بھی کیا جائے کہ ہر صدی میں مجدد ہوگا خواہ اول صدی میں ہو یا آخر میں یا صدی کے درمیان میں ہو تو حضرتِ امیرِ ملت قدس سرہٗ چودھویں صدی کے مجدد ہیں۔ ہم نے مجدد دین کے اوصاف میں بیان کیا ہے کہ مجدد وہ ہے کہ جو سنت کو بدعت سے ممتاز کردے گا اور علم کو بکثرت شائع کریگا اور اہلِ علم کی عزت کرائے گا اور بدعت کا قلع قمع کرے گا اور اہلِ بدعت کا زور توڑ دے گا۔

مذکورہ صفات کے ساتھ بعض علماء نے ایک اور صفت کا اضافہ کیا ہے کہ مجدد آلِ رسول سے ہوگا۔ علامہ سید شہاب الدین فرماتے ہیں کہ بعض علماء کا خیال ہے کہ ہر سو سال پر جو مجدد آئے گا وہ اہلِ بیت سے ہی ہوگا۔ یہ علماء اس حدیث سے دلیل پکڑتے ہیں جو ہم ابھی امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ والی حدیث درج کرتے ہیں امام جلال الدین سیوطی شافعی نے اس کا اس منظوم قصیدہ میں ذکر کیا ہے جس میں مجددین کا ذکر ہے۔ لکھتے ہیں یہ بات ایسی حدیث میں مذکور ہے جسے حافظ ابن عساکر (م ۱۷۴ھ) نے عبداللہ بن احمد بن حنبل سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ سے سنا، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت کرتا ہوں کہ آپ نے فرمایا اللہ تعالےٰ میرے اہلِ بیت سے

ہر صدی پر ایک شخص بھیجے گا جو میری امت کو دین کی تعلیم دے گا۔

امام الاولیاء والاتقیاء قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین مجددِ دین وملت امیرِ ملت حضرت پیر سید حافظ **جماعت علی** شاہ نوراللہ مرقدہٗ حسینی سید ہیں اور اہلِ بیتِ رسول سے ہیں۔ امام حاکم صاحب مستدرک فرماتے ہیں کہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ اہلِ بیتِ رسول اہلِ زمین کے لئے امان ہیں۔ قطبِ ارشاد سید عبداللہ بن علوی فرماتے ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی امانتِ اسرار کے حامل اہلِ بیتِ اطہار ہیں، وہ اپنے نبی کے بعد حاملِ اسرار ہیں اور ان کے وارث ہیں اور یہ کتنے اچھے وارث ہیں۔ (رشفۃ الصاوی صفحہ ۱۲۰)

ایک مرتبہ امام احمد بن محمد بن حنبل رضی اللہ عنہ جامع مسجد کے دروازے پر بنو ہاشم کے ایک چھوٹے لڑکے سے ملے جو دروازہ سے باہر جانا چاہتا تھا مگر اس نے امام صاحب کو نکلتے دیکھا تو تعظیماً کھڑا ہو گیا تاکہ آپ نکل جائیں۔ امام صاحب نے جو اسے دیکھا تو پیچھے ہٹ گئے اور ہاشمی بچے کو پکڑ کر بوسہ دیا اور کھڑے ہو گئے حتیٰ کہ وہ بچہ مسجد سے باہر چلا گیا پھر فرمایا یہ بچہ اہلِ بیت سے ہے۔ اللہ تعالٰے نے ان کا احترام فرض کیا ہے۔

حضرتِ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۶۱ھ) جن کی ولایت کا شہرہ تمام دنیا میں ہے وہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ (م ۱۴۸ھ) کے گھرانے میں پانی بھرا کرتے تھے اور حضرت امام کرخی (م ۲۰۰ھ)۔ حضرت امام علی بن موسےٰ رضا (م ۲۰۳ھ) رضی اللہ عنہ کے دربان تھے۔ صوفیاء کے پیشوا اور وحدۃ الوجود کے بانی حضرت شیخ اکبر محی الدین ابنِ عربی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس اگر کوئی سید تعلیم کیلئے آتا تو اس کو بلند جگہ پر بٹھلاتے اور خود نیچے بیٹھتے۔

حضرتِ امام شافعی رضی اللہ عنہ (م ۲۰۲ھ) اہلِ بیت کی بڑی تعظیم کرتے تھے

آپ نے تصریح فرمائی ہے کہ میں اہلِ بیت کے متبعین سے ہوں حتیٰ کہ ان کے بارے میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں تو آپ نے جواباً فرمایا اگر آلِ محمد کی محبت رفض ہے تو جن و انس گواہ رہیں کہ میں رافضی ہوں۔ بڑے بڑے ائمہ کرام اور علماء و اولیاءِ عظام نے سادات اور اہلِ بیتِ رسول کے سامنے اپنے بلند سر رکھ دیئے ہیں۔

حضرت علامہ سید ابوبکر بن شہاب الدین علوی شافعی الحضرمی اپنی کتاب رشفۃ الصادی کے خطبہ میں فرماتے ہیں، تمام تعریفیں اس پروردگار کے لئے ہیں۔ جس نے اپنے نبی کے اہلِ بیت کو عظیم مناقب سے آراستہ کیا اور انہیں عظیم مظاہر و مواہب کی وجہ سے قربت سے نوازا اور انہیں اتنا بلند کیا کہ اس کی انتہا کسی کی زبان اور کسی کا قلم بیان نہیں کر سکتا، اپنے ارادۂ ازلی سے اس کریم خاندان کو پاکیزگی بخشی اور اعلیٰ مراتب و مناصب پر پہنچایا۔ فتنوں کی طغیانی کے وقت انہیں سفینۂ نجات بنایا، امت کے لئے انہیں پناہ گاہ ٹھہرایا جبکہ فتنوں کے جھکڑ چلیں؛ ہدایت کے ستارے بنایا، انہیں ان کے نانا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی قرابت اور ان کی والدہ ماجدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی وجہ سے اور ان کے باپ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے واسطے سے مکرم و محترم بنایا۔ چونکہ تجدیدِ دین ایک عظیم وصف اور مجدد ہونا ایک عظیم منقبت ہے (جیسے کہ عنقریب ہم بیان کریں گے)، اور اہلِ بیتِ رسول بھی عظیم مناصب اور مناقب کے مالک ہیں لہٰذا علامہ سید شہاب الدین فرماتے ہیں کہ مجدد بھی اہلِ بیتِ رسول سے ہوگا اور ان بعض علماء کے قول کے مطابق بھی ثابت ہوا کہ حضرت امیر ملت رحمۃ اللہ علیہ مجدد تھے کیونکہ آپ سید اور اہلِ بیتِ رسول سے ہیں۔

حضرت امیر ملت قدس سرہ نے اپنی تمام زندگی اسلام کی نشر و اشاعت

اور دین کے احیاء و تجدید کے مقصدِ جلیل کے لئے وقف کر رکھی تھی۔ حضور دنیا کے جس خطہ میں تشریف لے جاتے جب تک مقصدِ تبلیغ پورا نہ ہو جاتا وہیں قیام پذیر رہتے۔ دیکھئے حضرتِ امیرِ ملت اپنے ایک مرید بابو غلام حسین کو ہاٹی کو ایک مکتوب میں فرماتے ہیں: "مجمع مکارمِ اخلاق مخلصم بابو غلام حسین صاحب وجمیع یارانِ طریقت کو ہاٹ زاد اللہ محبتکم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ طالب خیریت بخیریت۔

فقیر عرس شریف کے بعد کلکتہ کے یارانِ طریقت کے اصرار کے باعث قرعہ ڈالنے کے بعد دارجلنگ کا قرعہ نکلنے پر دارجلنگ پہنچا، وہاں رمضان شریف بخیر وخوبی گزار کر حیدرآبادی یاروں کی درخواست پر کلکتہ سے سید ھا دو رات دن میں براہ ریل حیدرآباد پہنچا، وہاں پر پچیس ۲۵ دن گزار کر میسور و بنگلور کے ڈیپوٹیشن آجانے کے باعث بنگلور پہنچا، پندرہ دن وہاں گزار کر میسور پہنچا۔ ایک مہینہ وہاں گزار کر نیل گڑھی کے ڈیپوٹیشن آجانے کے باعث بسواری موٹر نیل گڑھی پہنچا جو وہاں سے ایک سو میل کے فاصلے پر ہے۔ پندرہ دن وہاں گزار کر ملک کرٹک والوں کی درخواست پر جہاں فقیر پہلے کبھی نہیں گیا تھا اس ملک میں پہنچا، پندرہ دن وہاں گزار کر براہ ریل بنگلور میں دو دن گزار کر بسواری موٹر میسور پہنچا۔ پانچ دن وہاں گزار کر ملک کرٹک والوں کی درخواست پر بسواری تھیاں پہنچا جہاں پانچ دن سے وارد ہوں اور پھر یہاں سے بلگنڈ و مرکارہ و میسور میں چند دن گزار کر سید ھا علی پور شریف پہنچنے کا ارادہ ہے۔ افسوس کہ اس سال فقیر دربار شریف میں عرس شریف پر حاضر نہیں ہو سکا۔ سب یاروں کو بعد سلام علیکم بصد اشتیاق اطلاع کر دیں۔ وجہ یہ تھی کہ اس سال مخالفین و معاندین وغیرہ نے میرے برخلاف ہزار ہا کی تعداد میں اشتہار وغیرہ تقسیم کئے تھے اگر فقیر آجکل چلا آتا تو دشمن خوش ہوتے اور طریقہ حضرات خواجگان رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین کی بدنامی ہوتی اور تبلیغ دین

پوری نہ ہوتی اور دشمنانِ دین کا داؤ چل جاتا۔ اس واسطے فقیر حاضری سے محروم رہا اور اللہ تعالیٰ میسور کا الوداعی جلسہ ہو جانے کے بعد فقیر کا راہ میں کسی جگہ ٹھہرنے کا مقصد نہیں ہے والعلم عندہ (اور علم اللہ کے ہاں ہے) اور آپ کی رپورٹ در بارۂ حلقہ یارانِ طریقت کو ہاٹ پہنچتی رہی، اس کو پڑھ کر دل بہت خوش ہوتا رہا الحمد للہ علیٰ ذالک۔

آپ سب یارانِ طریقت کو تاکید کریں کہ وہ ذکر و فکر، مراقبہ، سحر خیزی، اتباعِ شریعت میں کوشش کرتے رہا کریں، اس کی برکت سے سب مشکلات دینی و دنیوی آسان ہو جائیں گی اور یہ ملک ایسا آباد ہے کہ تمام دنیا میں کوئی ملک ایسا آباد نہیں ہے۔ یہاں چار مہینے برابر بارش ہوتی رہتی ہے اور تمام ملک قدرتی گلزار ہے، یہ ملک پنجاب سے تین ہزار میل کے فاصلے پر ہے، سات دن میں یہاں سے پنجاب میں ریل پہنچتی ہے۔

الراقم جماعت علی عفا اللہ عنہ بقلم خود از ملک کرگ ۲ار ستمبر ۱۹۲۲ء

(سیرتِ امیرِ ملت، ص ۲۰۵)

ناظرین حضرات خود ہی غور کریں کہ اتنا دور دراز سفر کرنا اور سفر بھی محض اس لئے کرنا تبلیغ دین ہو اور ہزارہا لوگوں کو صراطِ مستقیم پر گامزن کرنا ہندوؤں اور کفار کو مسلمان کرنا اور گمراہوں کو راہِ ہدایت پر چلانا، یہ سوائے مجددِ دین کے اور کون کر سکتا ہے۔ اس دینی خدمت اور ترویج سنت سے واضح ہو جاتا ہے کہ حضرتِ امیرِ ملت قدس سرہ چودھویں صدی کے مجددِ دین تھے۔

نیل گرھی کے معتقدین نے جب سعیِ بلیغ کے بعد حضرتِ امیرِ ملت رحمۃ اللہ علیہ کو وہاں بلایا۔ آپ تشریف لے گئے اور نیل گرھی سے حضور میسور پہنچے۔ یہاں میسور کے علاقہ میں بلا ناغہ ہر دن تبلیغی اجلاس میں حضور دینِ اسلام کی حقانیت بیان فرماتے۔ اسی سلسلہ میں میسور میں ایک عظیم الشان تبلیغی جلسے کا اہتمام کیا گیا اور میسور

کے مہاراجہ نے خود خواہش ظاہر کی کہ وہ بھی حضرتِ امیرِ ملّت کا وعظ سننا چاہتے ہیں اس جلسہ میں مسلمانوں کے ساتھ ہندو عمائد و اکابر بھی شریک ہوئے اور خود مہاراجہ نے بھی شرکت کی۔ عباس خاں صاحب جو آپ کے مرید تھے، انہوں نے عرض کیا کہ حضرت! مہاراجہ ہندو ہے اور یہ ریاست بھی ہندو کی ہے، اگر آپ ان کے مذہب کے خلاف کوئی بات نہ کہیں تو اچھا ہے۔

حضرتِ امیرِ ملّت نے وعظ فرمایا اور اسلام کی حقانیت ثابت کی اور دلائل سے جملہ مذاہبِ باطلہ کی تردید کی۔ آپ کے بیان کے اعجاز کا اثر یہ تھا کہ بعد میں مہاراجہ نے عباس خاں صاحب سے کہا کہ آپ کے پیر صاحب یقیناً خدا کے نیک بندے ہیں تبھی تو ان میں یہ جرأت ہے کہ ہمارے سامنے بلا کسی خوف اور ڈر کے ہمارے مذہب کے خلاف تقریر کرتے۔ ایسے نیک انسان اب دنیا میں کہاں ملتے ہیں جو مخالف موافق کی پرواہ کئے بغیر حق بات کریں اور بندگانِ خدا کی رہنمائی کے لئے اتنا دور دراز سفر اور راہ کی صعوبتیں برداشت کریں۔

چنانچہ آپ کے وعظ بکثرت ہونے لگے۔ زائرین ہمہ وقت حاضر رہنے لگے۔ آپ کا علم و فضل اور زہد و تقویٰ سے دور دور مشہور ہونے لگا، روزانہ علماء، عہدہ دار، تاجر، فوجی اور ملازمت پیشہ غرضیکہ ہر قسم کے لوگ حاضر ہو کر مستفیض ہونے لگے۔ مردوں کے علاوہ عورتیں بھی کثرت سے حلقۂ ارادت میں شامل ہوئیں، ہر روز مغرب و عشاء کے درمیان محلہ نعل بند واڑی میں صوبیدار سید محمد صاحب کی حویلی میں ذکر کا حلقہ منعقد ہوتا تھا۔

بنگلور، میسور، نیل گرھی وغیرہ میں آپ کا قیام گیارہ ماہ تک رہا۔ چنداپٹن، منڈا، لاہور، کنور، بیڑوڑ، نتمن گڈھ، گنگے سری، نوی پیٹ، بھیکشوان، صالح گرام، گنجام، سرنگاپٹم وغیرہ دور دور سے لوگ کھنچے چلے آتے تھے، غرض بے شمار خلق خدا

نے آپ کے دستِ حق پرست پر توبہ کی اور متعدد لوگ ہندو اسلام میں داخل ہوئے۔

حضرت مولانا خیر شاہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بے شمار ہندو اور عیسائی لوگوں نے آپ کے دستِ اقدس پر اسلام قبول کیا اور بے شمار لوگوں نے آپ کے دستِ اقدس پر بیعت اور توبہ کی اور دن بدن حضرتِ امیرِ ملت کے عقیدت مندوں کی ترقی ہو رہی ہے اور مولانا خیر شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ۱۳۳۶ھ میں واقع ہوئی تھی اور حضرتِ امیرِ ملت کی وفات مبارک ۱۳۸۰ھ میں ہوئی ہے گویا کہ حضرتِ امیرِ ملت قدس سرہ نے مولانا خیر شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد ۳۲ سال بھی تبلیغ دین اور سنتِ نبویہ کی اشاعت کی ہے اور ان ۳۲ سال میں پہلے وقت کی بہ نسبت زیادہ تجدیدِ دین و احیائے سنت کا کام کیا ہے اور آپ کی ذاتِ پاک سے آخر تک لوگوں کو نفع پہنچتا رہا ہے لہٰذا آپ حدیثِ تجدید کے مصداق اور اپنے زمانہ کے بلاشک و ریب مجدد ہیں۔

(رسالہ انوار الصوفیہ ص۲۴ بابت ماہ ستمبر ۱۹۲۰ء)

سیرتِ امیرِ ملت میں ہے کہ اس علاقہ میں حضرت امیرِ ملت کا قیام اتنا طویل ہو گیا تھا کہ پنجاب اور دوسرے علاقوں کے یارانِ طریقت سخت ملول تھے، ہر جگہ سے حضورؒ کی خدمت میں واپسی کی درخواست کے لئے عریضے ارسال کئے گئے۔ حاجی ماسٹر کرم الٰہی صاحب بی۔ اے۔ ایل ایل بی خلیفۂ مجاز اور سیکرٹری مرکزی انجمن خدام الصوفیہ نے عریضہ تحریر کیا کہ آپ اتنے لمبے عرصے سے وہاں تشریف فرما ہیں اور یہاں یارانِ طریقت آپ کے دیدار کے لئے تڑپ رہے ہیں تو آپ نے جواب میں تحریر فرمایا۔

رشتہ در گردنم افگندہ دوست ‎ ‎ ‎ ‎ می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

کہ میں اپنی مرضی سے کچھ نہیں کرتا بلکہ "نتھ خصم دے ہتھ" پنجابی کا مقولہ ہے۔ میرا دل بھی یارانِ طریقت کی محبت سے بھرا ہوا ہے، میں ان کو کبھی نہیں بھولا مگر مرضیٔ مولیٰ از ہمہ اولیٰ پر عمل کرتا ہوں۔

جب کسی طرح کامیابی نہ ہوئی تو آخر کار سیالکوٹ کے چند اصحاب وفد کی صورت میں حضرتِ امیرِ ملت قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بڑی منت وسماجت کے بعد واپسی پر رضامند کیا تو اب وہاں کے یارانِ طریقت سخت مضطرب ہوئے روتے اور گڑگڑاتے کہ حضورؒ ابھی اور قیام فرمائیں لیکن رب تعالےٰ کی اجازت ہو چکی تھی اور مقصد تبلیغ اس علاقہ میں پایۂ تکمیل تک پہنچ چکا تھا اسی لئے واپسی کا دن اور تاریخ مقرر ہو گئی جب طے ہو گیا کہ حضورؒ تشریف لیجانے والے ہیں تو وہاں کے مسلمانوں اور یارانِ طریقت نے ایک عظیم الشان الوداعی جلسہ منعقد کرنے کی اجازت چاہی، اجازت مل گئی تو بڑے پیمانے پر الوداعی جلسے کا اہتمام کیا جانے لگا اور اشتہارِ عام کے ذریعے عامۃ المسلمین کو اس جلسے کے انعقاد کی اطلاع دی گئی۔ بیرونی مقامات پر نوابان و رؤسائے عظام اور تاجران و سیٹھ صاحبان کو خطوط اور تاروں کے ذریعے مطلع کیا گیا چنانچہ ۱۳ اپریل ۱۹۰۸ء کو اتوار کے دن پروگرام کے مطابق الوداعی جلسہ بڑی شان وشوکت سے منعقد ہوا مغرب کے وقت سے قبل عظیم الشان اجتماع ہو گیا تھا اور جلسہ کی صدارت کے لئے خان بہادر محمد عبدالرحمٰن خاں صاحب مجسٹریٹ کا نام تجویز کیا گیا۔

جلسہ میں متعدد علمائے کرام اور نعت خوان حضرات نے حضرتِ امیرِ ملت کو خراجِ تحسین پیش کیا۔ آخر میں صدر جلسہ خان بہادر محمد عبدالرحمٰن کی تقریر ایسی پُر تاثیر تھی کہ وہ خود بھی متاثر نظر آتے تھے اور سب اہلِ جلسہ کی آنکھوں سے بھی آنسو رواں تھے صدر جلسہ کی تقریر کا ملخص یہ تھا کہ میں بھی آپ سب صاحبان کے ساتھ آج حضرت امیرِ ملت کو الوداع کہنے یہاں حاضر ہوں۔

حضرتِ امیرِ ملت پیر سید جماعت علی شاہ صاحب مدظلہ کی ذات بلاشبہ انبیائے بنی اسرائیل علیہم السلام کا صحیح نمونہ اور حدیثِ نبوی کا مصداق ہے، جب سے میرے پیر و مرشد حضرت قبلہ امیرِ ملت مدظلہٗ اس علاقے میں تشریف فرما ہوئے ہیں

آپ نے ہر طرف اپنے فیض و کرم سے جنت الفردوس کے باغ کھلا دئے ہیں اور ہیں اور آپ سب کو جنت کے ان باغوں کی گل چینی اور میوہ خوری کے راستے بھی دکھا دئے ہیں۔ آپ سب نے اپنی شاعرانہ مہارت سے گلہائے سخن کی ریزہ چینی کی اور آبدار موتی بکھیرے مگر میرے خیال میں یہ مشتے نمونہ از خروارے بھی نہیں کیونکہ جن لوگوں کی تعریف اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں کی ہے ہم اور آپ ان کی کیا تعریف کر سکتے ہیں اور بلاشبہ حضرتِ امیرِ ملت بھی انہیں سے ہیں۔ آپ سید السادات ہیں، حافظ ہیں، حاجی ہیں اور عابد و زاہد ولی اللہ ہیں، آپ جیسے اصحاب کی مدح میں بارہ آیات نازل ہوئی ہیں ایسے لوگوں کی خدمت کرنا، ان کی محبت رکھنا ان کا ادب کرنا اور ان کا اتباع کرنا انہی لوگوں کا کام ہے جن کے لئے عذاب سے مخلصی اور فلاح دارین کا وعدہ کیا گیا ہے۔ آخر میں خان بہادر صاحب نے معذرت کے ساتھ ان اشعار پر اپنی تقریر کو ختم کیا ؎

الٰہی بحقِ بنی فاطمہ — کہ بر قولِ ایماں کنی خاتمہ
اگر دعوتم رد کنی ور قبول — من و دست و دامانِ آلِ رسول

یہ رباعی پڑھتے ہوئے جناب صدر بے اختیار رو پڑے، دونوں ہاتھوں سے حضرتِ امیرِ ملت قدس سرہ کا دامن پکڑ لیا اور رو رو کر تین بار یہ اشعار پڑھے، ساری محفل بھی ان کے ساتھ اشکبار تھی۔ چونکہ حضور کی روانگی کا دن اور وقت مشتہر کر دیا گیا تھا اس لئے چہار شنبہ ۱۵ اپریل ۱۹۰۶ء کو ہزاروں آدمی رخصت کرنے کے لئے حاضر ہوئے نواب صاحب میسور میر نظام الدین علی خاں صاحب، نواب کولار جناب غلام محمد خاں صاحب، خان بہادر محمد عبد الرحمٰن خاں صاحب مجسٹریٹ اور علماء، سادات تجار، فوجی احباب، رسالدار، صوبیدار، جمعدار وغیرہ کثرت سے شام کو ۵ بجے حضور کی فرودگاہ پر پہنچ گئے۔ ان میں میمن، بمبئی، دکھنی اور اطراف و اکناف سے لوگ

اُمڈ آئے تھے۔

جس وقت حضرتِ امیرِ ملّت علیہ الرحمہ سوار ہو کر روانہ ہوئے تو یہ تمام معززین اور معتقدین دائیں بائیں رواں تھے، سوار بھی اور پیدل بھی ایک شاندار جلوس کا منظر نظر آتا تھا جسے دیکھنے کے لئے راستے کے دونوں طرف خلقت جمع تھی جس میں ہر مذہب اور طبقہ کے لوگ شامل تھے۔ اس شان و شوکت سے سواری مبارک ریلوے اسٹیشن پہنچی تو انگریز اور ہندو لوگ حیران تھے کہ ایسا شاندار جلوس کس کا ہے۔ حضور کے جانثاروں کے لئے یہ ساعت قیامت سے کم نہ تھی، اسٹیشن عجب سماں پیش کر رہا تھا کوئی گریہ وزاری کر رہا ہے تو کسی کا دل بے قرار ہے اضطراب سے کوئی غش ہوا جا رہا ہے تو کسی کی آنکھوں سے مسلسل آنسو جاری ہیں، کوئی حسرت زدہ ہے تو کوئی پژمردہ، کوئی افسردہ ہے تو کوئی نوحہ کناں، کوئی حضور سے دوبارہ تشریف آوری کا وعدہ لے رہا ہے تو کوئی پتہ لکھ رہا ہے، کوئی وظیفہ کی اجازت چاہتا ہے تو کوئی دعا کروا رہا ہے، کسی کے ہونٹ حیرت و افسوس نے سی دیئے ہیں تو کوئی تڑپ رہا ہے، غرض عجب شورِ قیامت برپا تھا۔

الغرض حضور وہاں سے سوار ہو کر بروز جمعہ بمبئی پہنچے۔ وہاں سے روانہ ہوئے تو ایک روز احمد آباد قیام فرمایا، دو روز دہلی، دو روز رہتک، غرض اسی طرح قصور، لاہور، سیالکوٹ ہوتے ہوئے آپ علی پور شریف میں رونق افروز ہوتے۔

(سیرتِ امیرِ ملّت صـ ۲۰۲)

حضرتِ امیرِ ملّت رحمۃ اللہ علیہ چونکہ مجدّدِ دین تھے لہٰذا آپ کا تمام زندگی یہی نصب العین رہا، اسلام کی نشر و اشاعت اور دین کی احیاء و تجدید، اتباع سنّت نبوی کی تعلیم، لوگوں سے گناہوں کی توبہ کرانا اور اعمالِ صالحہ پر کاربند بنانا، محرمات اور منہیات سے باز رکھنا، قرآن و حدیث کے مطابق صراطِ مستقیم اور نیک کاموں

پر چلنا سیرتِ نبوی کی راہِ راست پر اعمال کو ڈھالنا اور شریعت و سنت کا کامل متبع بنانا،
اسی مقصدِ عظیم کے پیشِ نظر حضرتِ امیرِ ملت نے تمام ہند و پاک اور افغانستان اور دیگر
ممالک کے تبلیغی دورے فرمائے اور دینِ اسلام کو اس کی اصلی صورت میں (جس میں
وہ ابتدا میں خود نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے آیا تھا) امتِ محمدیہ کے سامنے
پیش کیا اور اس میں نئی روح پھونکی اور تجدید فرمائی، بنا بریں آپ مجددِ دوراں تھے۔

منصبِ تجدید منصبِ نبوت کا ظل اور عکس ہے

تجدیدِ دین، نبوت کا مکمل عکس اور پرتو ہے اسی لئے شئونِ تجدید شئونِ نبوت سے مماثلت اور مشابہت رکھتی ہیں اور مجدد
علم و عمل کے لحاظ سے نبی کا ظل اور سایہ ہے اور اخلاق و صفاتِ حمیدہ کے لحاظ سے
نبی کا نمونہ ہوتا ہے۔ جب تجدیدِ دین نبوت کا پرتو اور عکس ہے تو پہلے یہ پڑھ لیجئے کہ
اسلام میں نبوت کا کیا تصور ہے۔ صوفیائے کرام اسے وجود کا نقطۂ اول، حقیقۃ الحقائق، برزخ
کبریٰ کہتے ہیں، اس کی فلسفیانہ حقیقت کی بہترین تشریح امامِ غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے
معارج القدس میں اور شاہ ولی اللہ محدثِ دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) نے حجۃ اللہ البالغہ
میں کی ہے۔

امامِ غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبوت انسانیت کے رتبہ سے بالاتر
ہے جس طرح انسانیت حیوانیت سے بالاتر ہے، نبوت عطیۂ الٰہی ہے اور موہبتِ
ربانی ہے، سعی و محنت اور کسب و تلاش سے نہیں ملتی ہے اور المنقذ میں امامِ
موصوف نے نبوت کی حقیقت پر جو عقلی بحث کی ہے وہ اس سے زیادہ لطیف ہے
ان کی بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہ نے انسان کو مختلف اطوار میں مختلف نعمتوں
سے مالا مال کیا ہے۔ سب سے پہلے انسان کو حواس کی نعمت دی، حواس کے
ذریعہ انسان کو دیکھنے، سننے، سونگھنے، چھونے اور چکھنے کی قوتیں ملی ہیں اور ان کے

ذریعے ہی انسان کو خارج کا علم ہوتا ہے۔ حواس کے بعد انسان کو قوتِ تمیز عطا کی جاتی ہے انسان اس کے ذریعے محسوسات سے باہر کا پتہ لیتا ہے، بعد ازیں انسان کو ایک اور نعمت ارزانی کی جاتی ہے، اسے عقل کہتے ہیں۔ اللہ سبحٰنہ کے اس انعام و فیضان نے انسان کے لیے غیر محدود ترقیات کا دروازہ کھول دیتا ہے، اس کے ذریعے انسان واجبات، ممکنات اور مستحیلات کا ادراک کرتا ہے اور اسی کی بنیاد پر انسان کو تمام کائناتِ ارضی کا خلاصہ کہا گیا ہے، عقل کے بعد اللہ سبحٰنہ کی جانب ایک اور نعمت ملتی ہے، اس نعمت کا نام ہے نبوّت، اس کے ذریعے وہ عالمِ غیب کا ادراک کرتا ہے، اس کے سامنے عقل ایسے ہی بے دست و پا ہوتی ہے جیسے کہ عقل کے سامنے حواس بے دست و پا ہوتے ہیں جیسے عقل والے اگر عقلی معلومات کو محسوسات کے متوالوں کے سامنے پیش کریں وہ ان کو مستبعد سمجھ کر انکار کرتے ہیں ایسے ہی نبی جب نبوت کی معلومات عقل والوں کو سامنے پیش کرتا ہے تو عقل والے بھی استبعاد کی وجہ سے اسے نہیں ملتے۔

حضرتِ امام ربانی مجدّدِ الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کے قریب قریب نبوّت کی حقیقت بتائی ہے، ان کا کہنا ہے کہ جیسے عقل کا مرتبہ احساس سے بالا ہے ایسے ہی نبوت کا مقام عقل سے اونچا ہے، ہمچنیں طورِ نبوت ورائے طورِ عقل است۔ ہمارے زمانے کے مشہور فلاسفر علّامہ اقبال (م ۱۳۵۷ھ) نے نبوت کو اپنے مخصوص فلسفیانہ انداز میں اس طرح سمجھایا ہے۔ ایک اعتبار سے نبوت کی تعریف یوں بھی کی جا سکتی ہے کہ یہ شعورِ ولایت کی وہ شکل ہے جس میں وارداتِ اتحاد اپنی حدود سے تجاوز کر جائیں اور ان قوتوں کی پھر سے رہنمائی یا از سرِ نو تشکیل کے وسائل ڈھونڈتی ہیں جو حیاتِ اجتماعیہ کی صورت گری میں گویا انبیاء کی ذات میں زندگی کا لامتناہی مرکز اپنے لامتناہی اعماق میں ڈوب جاتا ہے تو اس لئے کہ پھر ایک تازہ قوت اور زور

ابھر سکے، وہ ماضی کو مٹاتا ہے اور پھر زندگی کی نئی نئی راہیں اس پر منکشف کرتا ہے جس
کو امام غزالی عقل سے ماوراء مجدد الف ثانی نورِ نبوت کہتے ہیں، علامہ اقبال اسی کو شعورِ
نبوت کہتے ہیں۔ عنوانات مختلف ہیں لیکن حقیقت ایک ہے اختلاف تعبیرات سے غلط فہمی نہ ہو
کہ نبوت ان بزرگوں کے نزدیک انسان کے ممکن الحصول ارتقائی کمالات میں سے کوئی کمال
ہے۔ ان بزرگوں کا ہرگز یہ مقصد نہیں ہے بلکہ وہ بتانا یہ چاہتے ہیں کہ نبوت ایک منصب
لیکن اس منصب کے کچھ کمالات ہیں، ان کمالات کی عقلی توجیہ یہ ہے ورنہ خود اس کمال کا
نام نبوت نہیں ہے جس کے ذریعے ان امور کا ادراک کیا جا سکے جن کا عقلِ انسانی ادراک
نہیں کر سکتی۔ نبوت سے مراد یہی ہے، یہ مطلب نہیں کہ نبوت اس کا نام ہے۔ بہرحال نبوت
ایک منصب ہے اور نبوت میں نبی انسانوں سے بالکل الگ ہوتے ہیں کیونکہ نبی میں نبوت
کی وجہ سے وحی قبول کرنے سے جو صلاحیت ہوتی ہے، وہ دوسرے انسانوں میں
ہرگز نہیں ہوتی۔ (معالم القرآن ص ۲۲۷)

جیسے نبوت ایک منصب ہے اسی طرح تجدیدِ دین بھی ایک منصب ہے
جس طرح کسی کو نبی تسلیم کر لینے سے اس کے تمام کمالات کا اقرار خود بخود لازم ہو جاتا ہے
اسی طرح کسی کو مجدد تسلیم کر لینے کے بعد انہیں وراثت نبوت کے غیر معمولی کمالات کا اعتراف
بھی خود بخود لازم اور ضروری ہو جاتا ہے، گویا کہ مجدد وہ ہے جس میں اوصاف تجدید مذکورہ
متحقق ہوں، جیسے منصبِ نبوت عطیۂ الٰہی اور وہبی ہے اسی طرح منصبِ تجدید بھی عطائے
الٰہی اور وہبی ہے۔ جس طرح کوئی نبی محض اپنے ذاتی کسب اور کمالات اور شخصی کوشش اور
جد و جہد یا کسی اجتماعی و جماعتی تجویز سے نبوت کے مرتبہ پر فائز نہیں ہو سکتا اسی طرح مجدد
بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہوتا ہے اور کسی مجدد کو محض اس کی ذاتی محنت اور
شخصی کسب و سعی سے عہدۂ تجدید نہیں ملتا اور نہ ہی کسی جماعت کی تجویز اور مفاہمت سے
مقامِ مجددیت پر وہ فائز ہوتا ہے اسی لئے جس طرح قرآنِ کریم نے انبیاء کرام کے لئے

بعث من اللہ کا لفظ استعمال فرمایا ہے اسی طرح مجددوں کے لئے حدیث پاک میں لفظِ بعثت استعمال کیا گیا ہے، دیکھئے قرآنِ پاک میں ہے لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم یتلوا علیھم اٰیٰتہ و یزکیھم ویعلمھم الکتٰب والحکمۃ یقیناً احسان فرمایا اللہ تعالےٰ نے مومنوں پر جب اس نے بھیجا ان میں ایک رسول انہی میں سے پڑھتا ہے ان پر اللہ تعالےٰ کی آیتیں اور پاک کرتا ہے انہیں اور سکھاتا ہے انہیں قرآن اور سنت اور قرآنِ پاک میں ہے وما کنا معذبین حتیٰ نبعث رسولا اور ہم اس وقت تک عذاب نہیں اتارتے، جب تک ہم اپنے رسول کو نہ بھیجیں اور قرآنِ پاک میں ہی ہے ربنا وابعث فیھم رسولا منھم یتلوا علیھم اٰیٰتک ویعلمھم الکتٰب والحکمۃ ویزکیھم اے ہمارے رب بھیج ان میں ایک برگزیدہ رسول انہیں میں سے تاکہ پڑھ کر سنائے انہیں تیری آیتیں اور سکھائے انہیں یہ کتاب اور دانائی کی باتیں اور پاک صاف کردے انہیں۔

اس رسول کے تین فرائض گنوائے جارہے ہیں، ایک تو یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ کر سنائے، دوسرا یہ کہ کتاب وحکمت سکھائے، تیسرا یہ کہ اپنے تصرف روحانی سے دلوں کے آئینوں کو جلا دے اور روشن کرے تاکہ حقائق ومعارف ان میں جلوہ نما ہوسکیں۔ حکمت سے کیا مراد ہے؟ اس کے سمجھنے سے ایک بہت بڑے فتنے کا اصولی رد بھی ہوجائیگا۔ حکمت کہتے ہیں وضع الاشیاء علیٰ مواضعھا ہر چیز کو اپنے محل اور موقع پر رکھنا۔ یہاں الحکمۃ کا لفظ جو مذکور ہے اس سے مراد احکامِ قرآنی کی ایسی تفصیل اور ان کا ایسا بیان ہے جسے جاننے کے بعد انسان ان احکام کی ایسی تعمیل کرسکے جیسے قرآن نازل کرنے والے خدا کا منشا ہے اور نبی کے فرائض میں صرف یہ نہیں کہ قرآن سکھادے بلکہ اس کا صحیح بیان اور تفصیل بھی سکھائے تاکہ قرآن پر اللہ تعالےٰ کی منشا کے مطابق عمل ہوسکے اور اسی حکمت یعنی بیانِ قرآن کو سنتِ نبوی کہا جاتا ہے۔ دوسری متعدد

آیات میں اس امر کی وضاحت کردی گئی ہے کہ حکمت قرآن یعنی نبی کا ذاتی اجتہاد نہیں ہوتا بلکہ وہ بھی اللہ کی طرف سے نازل کی جاتی ہے. مثلاً ارشاد ہے. وانزل اللہ علیک الکتٰب والحکمۃ اللہ تعالےٰ نے آپ پر اے نبی کتاب اور حکمت نازل فرمائی

اس سے ثابت ہوا کہ جیسے قرآن کی اطاعت فرض ہے اسی طرح صاحب قرآن کی سنت پر عمل کرنا بھی ضروری ہے. اس سے ان لوگوں کی غلط فہمی کا ازالہ بھی ہو گیا جو سنت کو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتی رائے خیال کرتے ہیں اور اس پر عمل کرنا ضروری یقین نہیں کرتے۔ (ضیاء القرآن ص۳۲)

جیسے انبیائے کرام کی تشریف آوری کے لئے قرآن نے لفظ بعثت ذکر فرمایا ہے اسی طرح حدیثِ پاک میں مجدّدوں کے آنے کے لئے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بعثت کا لفظ اختیار کرتے ہوئے فرمایا: ان اللہ عزوجل یبعث لھٰذہ الامۃ کہ اللہ تعالےٰ اس امت کے لئے ہر صدی کے سرے پر مجدّد ایسے بندے بھیجتا رہیگا جو اس کے لئے اس کے دین کی تجدید کرتے رہیں گے۔ ثابت ہوا کہ انبیائے کرام اور مجدّدین من جانب اللہ مبعوث ہوتے ہیں، منصبِ نبوت اور منصبِ تجدید دونوں عطیۂ الٰہی ہیں جس طرح اللہ تعالےٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے نبوت و رسالت کے لئے چن لیتا ہے اور اِس خلعت سے سرفراز فرما کر مبعوث فرماتا ہے اسی طرح منصبِ تجدید کے لئے بھی اللہ ہی چن کر مبعوث فرماتا ہے گویا کہ ان دونوں منصبوں کا انتخاب من جانب اللہ ہی ہوتا ہے لیکن دونوں میں فرق یہ ہے کہ منصب نبوت اصل ہے اور منصبِ تجدید اس کا ظلّ اور عکس ہے۔ نبی کی ذات منصوص من اللہ ہے اور وحیِ الٰہی کے ذریعہ اس کا تعین اور تقرر ہے اور نبی کا کشف اور الہام قطعی اور یقینی ہے اور مجدّد کی شخصیت منصوص من اللہ نہیں ہے اور اس کا کشف اور الہام ظنّی ہوتا ہے اور نبی کا منکر کافر اور خارج از اسلام ہے اور مجدّد کا منکر خارج

اصلاح وتقویٰ سے ہے۔ بہر نوع منصب تجدید منصب نبوت کا ایک چمکتا ہوا پرتو اور عکس ہے اور مجدّد اپنے علم اور عمل کے لحاظ سے نبی کا نمونہ ہوتا ہے اور شئونِ تجدید شئونِ نبوت سے ملتی جلتی ہیں اور مجدّد نبوت کے پیش کردہ نظام ہی کی تجدید کرتا ہے جیسے نبوت کا نظام جامع اور اصلاحی ہوتا ہے۔ اسی طرح تجدیدی نظام میں بھی اصلاحیت ہی جلوہ نما ہوتی ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ نظامِ نبوت ایک جامع نظام ہے اور نبوت انسانی زندگی کے ہر شعبہ کے متعلق ہدایت لے کر آئی ہے اور مکمل ہدایت۔ گویا تمام عالم کو اپنے نظام کے لئے جن مختلف قابلیتوں کے مختلف انسانوں کی ضرورت ہوتی ہے، وہ سب قابلیتیں بیک وقت اعلیٰ سے اعلیٰ طریق پر نبوت کے دامن میں موجود ہوتی ہیں، معاشی، معاشرتی، تہذیبی، تمدنی، سیاسی، اجتماعی، دیوانی، فوجداری، اخلاقی اور ایک فرد کی خانگی زندگی میں تنہائیوں تک کے لئے نبوت اپنی آغوش میں ہدایات رکھتی ہے، چونکہ مجدّد نبوت کا اصلی ظل ہے لہٰذا مجدّد نبوت کے نظام کے ہر شعبہ میں جبکہ لوگ اس میں بگاڑ پیدا کر دیں گے، تجدید اور اصلاح کرے گا۔ مجدّد چونکہ مصلح ہوتا ہے۔ اس لئے مجدّد کی ایک عظیم صفت خدا کی زمین پر اصلاحی قوانین کا نفاذ اور فساد اور باعث فساد چیزوں کا خاتمہ کرنا بھی ہوتا ہے، اصلاح کا مفہوم اور حقیقت یہ ہے کہ دینِ حق جملہ ادیان پر غالب ہو اور تمام دنیاوی اغراض اور منفعتوں کے مقابلے میں احکام شرعیہ کی زیادہ رعایت کی جائے اور دین کے بارے میں کسی کی مخالفت و موافقت کی پرواہ نہ کی جائے۔

حضرت شاہ ولی اللہ نے شہری زندگی کے جس فساد کی نشاندہی کی ہے وہ اس نظامِ حیات ہی سے انحراف کا نتیجہ ہے جسے نبوت علم و عمل کی شکل میں لے کر آئی ہے۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ شہری زندگی کا سب سے بڑا فساد یہ ہے کہ بالادست

طاقت، عمدہ عمدہ زیور، اچھی اچھی پوشاک، بہترین مکان، لذیذ خوراک اور عورت کی نازک اندامیوں میں لگ جاتی ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ جب بالادست طاقت یہ شغلہ اختیار کریگی تو لوگوں میں معاشی اور معاشرتی فساد پیدا ہو جائے گا اور اصلاح ناپید ہو جائے گی اور یہ بھی لکھا ہے کہ بالادست طاقت کا یہ میلان پوری شہری زندگی میں پھیل جائے گا اور اس طرح پھیلے گا جیسے ہڑکائے کتے کے کاٹنے سے ہڑک پھیل جاتی ہے۔ اس سے بڑا فساد اور کیا ہو سکتا ہے اور مجدد دین فساد فی الارض کو ختم کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اہلِ ایمان کو رذائل حرکات سے بچنے کی تلقین کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ شہری زندگی میں بھی برائیوں سے بچ کر رہنا چاہیے اور زمانہ جاہلیت کے رسوم و دستور کو چھوڑنا چاہیئے کیونکہ اس سے ملک و عوام میں بدنظمی، ابتری، کشت و خون اور ہر قسم کی طبقاتی جنگ کو پہنچنے کا موقع ملتا ہے اس لئے مجدد لوگوں کو منکرات اور مفاسد سے دور رہنے کی تعلیم دیتا ہے اور نظامِ حق پیش کرتا ہے جس کے ذریعے ہر قسم کا فساد اور معاشرے کا ہر طرح کا بگاڑ درست ہو سکتا ہے۔

حضرتِ امیرِ ملت چونکہ مجددِ اور مصلح تھے لہٰذا آپ کی تبلیغ اور تجدید زیادہ تر اصلاح پر قائم تھی۔ حضور نے متعدد مرتبہ یاغستان کے علاقہ کا بھی تبلیغی دورہ فرمایا ہے اور ہزارہا پٹھانوں کو راہِ راست پر لائے ہیں۔ جب اس علاقہ میں تشریف لیجاتے تو خانوں کے جو باہمی تنازعات ہوتے، آپ شرعی نظام کے ماتحت ان کے فیصلے فرماتے جو کہ پٹھان بسر و چشم قبول کرتے اور حضور کے تشریف لے جانے سے ان کے ہزارہا مقدمات اور جھگڑے ختم ہو جاتے۔

حیدر آباد دکن میں ایک بار مسجد باغ عامہ میں نمازِ جمعہ کے بعد حضرت امیرِ ملت رحمۃ اللہ علیہ وعظ فرما رہے تھے، نظام دکن بھی وہیں موجود تھے، حضرتِ امیرِ ملت

نظام صاحب کے ہاں ہی قیام پذیر تھے۔ آپ نے دورانِ وعظ عورتوں کے پردے کا مسئلہ قرآنِ مجید اور حدیث شریف سے ثابت کیا اور برملا کہا کہ جب مسلمانوں کے بادشاہوں کا یہ حال ہو کہ وہ اپنی لڑکیوں کو بے پردہ باہر نکلنے دیں اور اپنے ساتھ باہر پھرائیں تو رعایا کا اللہ حافظ ہے۔ سب جانتے تھے کہ نظام دکن کی دو لڑکیاں جو جوان عمر تھیں ان کے ساتھ باہر آتی جاتی تھی، مخالفین کو ایک شوشہ ہاتھ آیا، انہوں نے حضرتِ امیرِ ملت قدس سرہ کی شکایت کی اور باقاعدہ تحریری درخواست پیش کی کہ اس طرح سرکار کی توہین ہوئی ہے جو ہمارے لئے ناقابلِ برداشت ہے۔ نظام دکن نے اسی درخواست پر لکھ دیا کہ حضرت قبلہ پیر سید جماعت علی شاہ صاحب قدس سرہ مردِ مومن ہیں۔ میں نے اپنی زندگی میں صرف آپ ہی کو دیکھا ہے کہ برملا حق بات کہنے میں باک نہیں کرتے، انہوں نے قرآنِ مجید اور حدیث شریف سے مسئلہ بیان کیا ہے جو یقیناً درست ہے۔

سیرتِ امیرِ ملت میں ہے کہ حضرتِ امیرِ ملت کی یہ عادتِ مبارکہ تھی کہ آپ گرمی کے موسم میں عام طور پر کسی نہ کسی سرد مقام پر تشریف لے جاتے تھے تاکہ امراء و خواص کا جو طبقہ وہاں مقیم ہوتا ہے، ان کی اصلاح کی جا سکے چنانچہ آپ ان کی دعوتیں کرتے اور ان کو احکامِ دین و مسائلِ شریعت بتاتے جس مقام پر جاتے، عوام کے فائدے کی خاطر، مساجد میں نمازِ جمعہ پڑھاتے اور نماز کے بعد وعظ فرماتے اور اس طرح عام و خاص کو فیض یاب کرتے۔ عام اجتماعات ہوں یا فرودگاہ پر زائرین کی حاضری ہمہ وقت حضور کا ایک ہی کام ہوتا، وعظ فرماتے، مسائل سناتے اور شریعت کی تاکید کرتے، احکامِ شرعیہ کی حقیقت اور صداقت، فرمانِ خدا اور سنتِ رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی اہمیت اور عظمت، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور دیگر اعمالِ صالحہ کی پابندی کا حکم فرماتے۔ حدیث پاک میں ہے ان من اعظم الجہاد کلمۃ عدل عند سلطان جائر

(ترمذی شریف ص۳۲)

کہ ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا سب سے بڑے جہادوں میں ایک جہاد ہے۔ حضرت امیر ملت قدس سرہ کا عمل اسی پر تھا، شریفِ مکہ ہو یا شاہِ افغانستان، نظام حیدر آباد ہو یا مہاراجہ میسور، آپ دین کے معاملہ میں کسی کے بھی رو برو حق گوئی میں تامل نہ فرماتے تھے اور برملا ٹوکتے اور نصیحت فرماتے اور مجدّد دین و ملت کی یہی شان ہے کہ دین کے بارے میں کسی کی موافقت اور مخالفت کی پرواہ نہ کرے۔

حضرتِ امیر ملت رحمۃ اللہ علیہ جب والیٔ افغانستان کی دعوت پر افغانستان تشریف لے گئے تو جب آپ پہلی شاہی دعوت میں شامل ہوئے تو دسترخوان پر چھریاں کانٹے وغیرہ موجود تھے۔ آپ نے نادر شاہ (والیٔ افغانستان) کو متوجہ کر کے ایک واقعہ سنایا، فرمایا کہ میں احرام باندھے ہوئے شریفِ مکہ کی دعوت میں شریک ہوا، سب لوگ انگریزی طریقہ سے چھری کانٹوں سے کھانے لگے مگر میں سنت کے مطابق ہاتھ سے کھاتا رہا۔ شریفِ مکہ کے ولی عہد نے میرے معلّم سے دریافت کیا کہ یہ کون شخص ہے اور کس طرح کھاتا ہے؟ معلّم نے جواب دیا، شریف نے خاص طور پر اس شخص کی دعوت کی ہے، اصل مہمان تو یہی ہے، ہم سب تو طفیلی ہیں۔ حضرتِ امیر ملت نے فرمایا کہ میں عربی سمجھتا جانتا ہوں۔ یہ گفتگو سمجھ کر میں نے عربی میں کہا کہ میں مسلمان ہوں مسلمان کے گھر میں پیدا ہوا ہوں اور مسلمانوں کے قبرستان میں ہی دفن ہوں گا، مسلمانوں کی طرح سنّت کے مطابق کھانا کھاتا ہوں۔

شریفِ مکہ ساتھ بیٹھا ہوا کھانا کھا رہا تھا، اس نے فوراً چھری کانٹے ہاتھ سے رکھ دئیے اور حکم دیا کہ یہ اٹھا لو اور آج کے بعد کبھی دسترخوان پر مت رکھو، سب ہاتھ سے کھایا کرو۔ نادر شاہ نے یہ قصہ سنتے ہی فوراً چھری کانٹے اٹھوا دئیے اور حکم دیا کہ آئندہ کبھی دسترخوان پر نہ لائے جائیں۔

حضرت امیر ملت نے کابل کے قیام کے دوران جمعہ پڑھایا۔ وعظ فرمائے

اور حسب عادت لوگوں کو مسئلے سناتے اور ہدایت فرماتے رہے، رخصت کے وقت والیٔ افغانستان نادر شاہ نے نقد و جنس ہر طرح کے تحائف شاہی شان کے مطابق پیشِ خدمت کئے۔

حضرتِ امیرِ ملت نے فرمایا کہ میں نے سب تحفے قبول کئے اور آپکو بطور عطیہ بخش دیئے، پھر کہا کہ میری ایک خواہش ہے اگر آپ مان لیں تو کہوں؟ بادشاہ نے وعدہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ آپ کے فوجی جوتوں سمیت نماز ادا کرتے ہیں، یہ خلافِ سنّت ہے۔ ان کو حکم دیجئے کہ جوتوں کو اتار کر نماز پڑھا کریں، نادر شاہ نے کہا کہ آپ میرا یہ حقیر تحفہ قبول فرما لیجئے میں ان کو جوتے اتار کر نماز پڑھوانے کا پختہ وعدہ کرتا ہوں۔ حضور نے فرمایا کہ میں اگر روپیہ اور تحائف قبول کر لوں تو جوتے اتروانے کے ثواب سے محروم ہو جاؤں گا۔ بادشاہ نے پھر اصرار کیا تو آپ نے فرمایا اچھا مجھے آپ کا تحفہ قبول ہے۔ آپ میری طرف سے یہ سب کچھ فوج میں تقسیم کر دو، چنانچہ گراں قدر شاہانہ نذرانہ کی ساری رقم فوجیوں میں تقسیم کر دی گئی۔

جود و سخا کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے امراء و رؤساء دیکھ کر حیران ہوتے تھے، سلاطین و امراء کی ملاقاتوں میں آپ کی یہ صفاتِ عالیہ اور نمایاں ہو کر سامنے آجاتی تھیں۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارا ہاتھ اس شہنشاہ کے خزانے میں ہے جو ساری دنیا کا داتا اور پروردگار ہے، پھر ہمیں کسی کی کیا پرواہ ؎

تختِ سکندری پر وہ تھوکتے نہیں ہیں   بستر لگا ہوا ہے جن کا تری گلی میں

(سیرتِ امیرِ ملت صفحہ ۲۴۴)

ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ مجدد کے شرائط سے یہ بھی ہے کہ وہ عالم ظاہر اور باطن ہو گا، حضرتِ امیرِ ملت رحمۃ اللہ علیہ بھی علوم ظاہری اور باطنی میں

نمایاں مقام رکھتے تھے، تجدید دین چونکہ منصب نبوت کا اصلی سایہ ہے اور نبوت کے فرائض سے ہے کہ وہ اللہ کی آیات پڑھ کر سنائے اور کتاب و حکمت سکھائے اور اپنے تصرف روحانی سے دلوں کے آئینوں کو جلا دے اور روشن کرے تاکہ ان کے اندر حقائق و معارف جلوہ نما ہو سکیں گویا کہ آیات کی تلاوت اور کتاب و حکمت کی تعلیم کا تعلق علم ظاہر سے ہے اور تزکیہ کا تعلق علم باطن سے ہے، جب نبوت دونوں علموں (ظاہر اور باطن) کا حامل ہے تو مجدد دین بھی دونوں علموں (ظاہر اور باطن) سے متصف ہوگا تاکہ مکمل ظل اور عکس ثابت ہو سکے اسی لئے مجدد جیسے علم ظاہر سے نوازا جاتا ہے اسی طرح علم باطن سے بھی آراستہ ہوتا ہے جیسے نبی لوگوں کے دلوں کو مصفیٰ کرتا ہے اسی طرح مجدد بھی لوگوں کے دلوں کو صاف اور روشن کرتا ہے۔ دل کے آئینہ کو روشن کرنا اور اس میں جلا پیدا کرنا تاکہ حقائق و معارف اس میں جلوہ گر ہوں، اسی کا نام دوسرے لفظوں میں تزکیہ نفس ہے۔

یہ بات پیش نظر رہے کہ تزکیہ کوئی مفرد اور بسیط عمل نہیں ہے بلکہ اس کے اطراف دور دور تک پھیلے ہوئے ہیں، ہمارے نفس کا ہر گوشہ اور ہماری زندگی کا ہر پہلو خواہ وہ ظاہری ہوں یا باطنی، عقلی ہو یا عملی، اخلاقی ہو یا اجتماعی و سیاسی، معاشی ہو یا معاشرتی اور ثقافتی اس کے تحت آتا ہے۔ ہمارے نفس کے تزکیہ کے صرف یہ معنی نہیں ہیں کہ اس کے کسی ایک گوشہ میں اجالا ہو جائے بلکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ اس کے ہر گوشہ میں روشنی پھیلی ہوئی ہونی چاہیئے، ہمارا علم بھی جگمگا اٹھنا چاہیئے اور ہمارا عمل بھی پاکیزہ ہونا چاہیئے اور تعلقات و معاملات ہمارے بھی ٹھیک ہونے چاہئیں۔

تزکیہ کا لغوی اور اصلی معنیٰ

اصل میں تزکیہ کا معنیٰ کسی چیز کو صاف اور ستھرا بنانا اور اسکی نشو و نما کرنا ہے۔

تزکیہ کا اصطلاحی معنیٰ! نفس کو غلط رجحانات اور میلانات سے پھیر کر نیکی اور اصلاح کے راستے پر ڈال دینا اور اس کو درجہ کمال تک پہنچنے کے لائق بنانا۔

تزکیہ کا موضوع یہ بات واضح ہے کہ تزکیہ کا موضوع نفسِ انسانی ہے اور نفسِ انسانی کے حالات میں جو کجروی اور بگاڑ پیدا ہو گیا ہے یا غلط افکار و نظریات اس میں جڑھ پکڑ گئے ہیں یا اس میں غلط اخلاق و عادات پیدا ہو گئے ہیں یا کینہ، عداوت، بغض، حسد، منافقت اور دیگر امراضِ روحانی اس میں موجود ہیں، انہیں دور کیا جائے اور ان تمام امراضِ روحانیہ کا علاج کیا جائے تاکہ اس کا دماغ صحیح سوچ سکے اور اس کی نیکی کی طرف ہمت اُبھر سکے اور اس کی عادتیں سنور سکیں وہ اپنی فطرتی صلاحیتوں کے مطابق اپنی اخلاقی اور روحانی ترقی کر سکے اور اپنے مرتبہ کمال تک پہنچ سکے۔

جب تزکیہ کا موضوع نفسِ انسانی ہے تو پہلے یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ نفس کیا ہے اور نفس کونسے صفات اور کونسے تقاضوں سے مرکب ہے تاکہ واضح ہو سکے کہ اس نفس کا تزکیہ کون کونسی باتوں کا مقتضی ہوگا۔ حکماء اور فلاسفر کسی چیز کے معلوم کرنے کے لئے اس کی حقیقت اور ماہیت مابہ الاشتراک اور مابہ الامتیاز تلاش کرتے ہیں۔ تزکیہ نفس میں نفس کی حقیقت و ماہیت سے بحث کرنا کوئی ضروری نہیں ہے کیونکہ تزکیہ میں تو صرف ان صفات اور تقاضوں کو سمجھا جائیگا جو نفس کے عقلی اور اخلاقی پہلو سامنے لائیں گے اور انہی سے ہی علم تزکیہ میں بحث ہوگی۔

ہم جب غور و فکر کرتے ہیں کہ ہمارے نفس کے (جس کو ہم اور میں سے تعبیر کیا جاتا ہے) کیا کیا پہلو ہیں جن پر تزکیہ کا عمل واقع ہوتا ہے تو واضح طور پر ہمارے سامنے دو چیزیں آتی ہیں (۱) کہ ہمارا نفس ادراک کرتا ہے (۲) ہمارا نفس

عمل کرتا ہے اور ادراک نفس کے لیئے اصلی جوہر ہے اور یہ ادراک جزئیات، کلیات اور تمام حقائق الاشیاء کا ہے اور یہ قوت ادراک ہی درحقیقت انسان کو حیوان سے ممتاز کرتی ہے اور کلیات کا ادراک ہی اس کے لیئے تعقل و تفکر کی وسیع راہیں کھولتا ہے اور اسی سے ہی اس کے تمام علوم وافکار اور تمام عقائد و نظریات وجود میں آتے ہیں اور اسی ادراک کی مدد سے ہی وہ یہ فیصلہ کرتا ہے کہ اس کے لیئے صحیح راستہ کیا ہے اور اس پر بحیثیت انسان کے کیا فرائض اور ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں؛ اگر فکر صحیح ہوگی تو تمام اقدامات صحیح ہونگے، اگر فکر ہی غلط ہوئی تو علمی معلومات کا بھی کوئی صحیح نتیجہ برآمد نہیں ہوگا اور پھر اسی غلط فکر کے جراثیم لازماً زندگی کے تمام گوشوں میں فساد کا باعث بن کر تباہ و برباد کردیں گے۔

تزکیۂ علم

تزکیۂ نفس میں علم وادراک کے تزکیہ کو بڑی اہمیت ہے، اگر علم کا تزکیہ اور نظر و فکر صحیح نہ ہو تو پھر نفس کا تزکیہ ناممکن ہے، یہ ضروری ہے کہ نفس کی قوتِ ادراکیہ صحیح سمت اٹھے اور صراطِ مستقیم پر قائم رہے اور علمی کجروی نہ ہونے پائے گویا کہ تزکیۂ علم نفس کے تزکیہ کے لیئے محور و مرکز کی حیثیت رکھتا ہے، اگر تعقل اور تفکر بھی صحیح نہ ہو تو پھر حقیقۃً تزکیۂ عمل بھی نہ ہو سکے گا۔

تزکیۂ عمل

انسان اپنی زندگی میں کوئی لمحہ بھی ایسا نہیں گزارتا جس میں وہ کوئی نہ کوئی عمل نہ کرتا ہو لازماً یا اچھا عمل کرے گا یا بُرا عمل؛ یا وہ عمل جائز ہوگا یا ناجائز ہوگا، یا اس کا عمل حلال ہوگا یا حرام، فطرتی ہوگا یا غیر فطرتی، شرعی حدود کے اندر ہوگا یا شرعی حدود سے باہر، پھر شرعی حدود اور قوانین میں اعتدال برقرار رکھے گا یا افراط و تفریط کرے گا اور تزکیۂ عمل یہ ہے کہ خدا اور رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے تعلیمات اور اوامر کو انسان بجالائے اور منکرات اور منہیات سے بچے۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، اتقاء، پرہیزگاری، غلط افعال سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنا؛ یہ تمام تزکیۂ عمل کے ہی

تفصیلات ہیں، منصبِ نبوت کے فرائض میں جو تین چیزیں ذکر کی گئی ہیں، آیات کی تلاوت ۲۔ کتاب و حکمت کی تعلیم گویا کہ یہ تزکیہ علم ہے اور ۳ وَ یُزَکِّیۡھِمۡ دلوں کو روشن کرنا، تزکیہ عمل ہے۔ بہر صورت تزکیہ نفس منصبِ نبوت کے فرائض سے ہے، پھر یہ حقیقت بھی قرآنِ مجید سے ہے کہ تزکیہ ہر شخص کی فلاح و نجات آخرت کے لئے ایک ضروری شرط ہے چنانچہ قرآنِ مجید میں ہے قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَكّٰىهَا اس نے فلاح پائی جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا، اسی طرح دوسرے مقام میں ہے قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ تَزَكّٰى اس نے فلاح پائی جس نے تزکیہ حاصل کیا۔

ظاہر ہے کہ جب آخرت میں انسان کی نجات و فلاح تزکیہ حاصل کرنے پر منحصر ہوئی تو انبیاء علیہم السلام کا جو انسانیت کے نجات دہندہ کی حیثیت سے دنیا میں بھیجے جاتے ہیں، اصلی کام یہی ہو سکتا ہے کہ وہ لوگوں کا تزکیہ کریں اور ان کو تزکیہ حاصل کرنے کے طریقے بتائیں جس طرح معاشی، معاشرتی، تہذیبی، تمدنی، سیاسی، اجتماعی، دیوانی، فوجداری، اخلاقی، روحانی اور ایک فردکی خانگی زندگی میں تنہائیوں تک کے لئے نبوت اپنی آغوش میں ہدایات رکھتی ہے، اسی طرح مجدد بھی ان تمام شعبوں میں تجدید کرتا ہے۔

حضرتِ امیرِ ملت قدس سرہ نے بھی تمام شعبوں (معاشی، معاشرتی، تہذیبی، ثقافتی، تمدنی، سیاسی، اجتماعی، دیوانی، اخلاقی) میں تجدید فرمائی ہے اور بے شمار ہندو، عیسائی، کافر آپ کے دستِ حق پرست پر مسلمان ہوئے۔

حضرت مولانا بخشی مصطفےٰ علی خاں صاحب مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ جو کہ حضرتِ امیرِ ملت قدس سرہ کے خلیفہ مجاز اور ولی کامل ہیں، آپ نے اپنی آخری زندگی مدینہ منورہ میں بسر کی ہے اور جنت البقیع میں آپ کا مزارِ اقدس ہے۔ آپ اپنی کتاب آفتابِ عالمتاب میں فرماتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت امیرِ ملت مجددِ دین و ملت

قبلہ پیر سید جماعت علی شاہ محدثِ علی پوری قدس سرہ کے دستِ اقدس پر ۵۰ لاکھ سے زائد افراد نے توبہ اور بیعت کی اور آپ نے ۵۰ لاکھ افراد کے دلوں کو روشن فرمایا اور ان کے نفوس کا تزکیہ کیا اور ان کے حالات کی اصلاح فرمائی۔

سیرتِ امیرِ ملت میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور بہاول پور تشریف لے گئے، وہاں عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا تھا جس میں وزراء و عمائدین کے علاوہ خود نواب بہاولپور اور انکے رشتہ دار شریک ہوئے۔ حضرتِ امیرِ ملت نے دورانِ تقریر لڑکیوں کو مغربی تعلیم دلوانے کی مذمت اور برائی بیان کی اور سخت الفاظ میں اس کی خرابیاں بیان کیں، بعض لوگوں نے قریب جا کر عرض کیا کہ ان اکابر و عمائد کی لڑکیاں کالجوں میں انگریزی پڑھتی ہیں، اس لئے اس موضوع سے گریز فرمائیے تو بہتر ہے۔ آپ نے برجستہ و برملا کہا کہ مجھے سچ کہنے اور دین کی تبلیغ کرنے سے کون روک سکتا ہے۔ اگر یہ لوگ سچی بات سننا پسند نہیں کرتے تو مجھے کیوں بلایا تھا چنانچہ حضور نے اپنا وعظ جاری رکھا اور سب کان دھرے حضور کے مسائل سنتے رہے۔

مجدد اپنی شخصیت کی دعوت نہیں دیتا

منصبِ تجدید اگرچہ منصبِ نبوت کا اصلی ظل ہے لیکن نبی اور مجدد کی دعوتوں میں فرق ہے، ہر ایک کی نوعیت جداگانہ ہے، کوئی شخص نبوت کا انکار کرتا ہے تو وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے جب تک نبوت کا اقرار نہ کرے وہ کفر سے لپٹا رہتا ہے اور نعیم آخرت کے دروازے اس پر بند ہو جاتے ہیں۔ دنیا اور آخرت میں اس کے لئے ذلت اور تباہی ہے لیکن اگر کوئی مجدد کا انکار کرتا ہے تو پھر یہ منکر کتاب و سنت کی صحیح ترجمانی سے محروم رہتا ہے اور اصل مقصدِ زندگی یعنی تزکیہ نفس کو بھی ہاتھ سے نکال دیتا ہے اور نبی اپنی نبوت کا اعلان کرتا ہے اور لوگوں کو نبوت کے تسلیم کرنے کی دعوت دیتا ہے لیکن مجدد اپنے مجدد ہونے کی

لوگوں کو دعوت نہیں دیتا اور نہ ہی مجدد کی مجددیت کو تسلیم کرنا ضروریاتِ دین سے ہے۔ ہمارے بعض معاصرین (نام نہاد علماء) جو کہ ضروریاتِ دین سے واقف نہیں ہیں، انہوں نے اپنی کم علمی کی وجہ سے یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ مجدد کی شخصیت کا انکار کرنا معتقداتِ اہلِ سنت سے انحراف ہے۔ ہم نے ان بعض معاصرین اور معاندین کے رد میں رسالہ السہم الحق لکھا ہے من شاء فلیراجع الیھا۔

مجدد اگرچہ اپنے مجدد ہونے کا اعلان نہیں کرتا لیکن اگر مجدد اپنی شخصیت کا اظہار کر بھی دے تو اس میں بھی کوئی قباحت نہیں واقع ہوتی، اسی لئے بعض مجددین نے تحدیثِ نعمت کے طور پر اپنی شخصیت کا اظہار فرمایا ہے۔ ہر شخص نعمت کے اظہار کے لئے مامور من اللہ ہے۔ قرآنِ پاک میں ہے وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ کہ اپنے رب کی نعمت کا اظہار فرمایئے، جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تحدیثِ نعمت کے لئے مامور من اللہ ہیں، اسی طرح آپ کی امت بھی آپ کی اتباع میں تحدیثِ نعمت کے لئے مامور من اللہ ہے اور ممکن ہے کہ جن مجددوں نے اپنی شخصیت کا اظہار کیا ہو وہ بطورِ خاص بطریقِ تحدیثِ نعمت بغرضِ استفادہ قوم اپنے مجدد ہونے کے اظہار پر مامور من اللہ ہوں اس لئے انہوں نے اپنی شخصیت کا اظہار کیا ہو جیسے کہ امام ربانی مجددِ الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے تحدیثِ نعمت کے طور پر اپنے آپ کو مجددِ الفِ ثانی لکھا ہے۔

آپ اپنے مکتوب چہارم دفتر دوم میں فرماتے ہیں، یہ علوم نبوت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے انوارِ مشکوٰۃ سے حاصل ہوئے ہیں، جو دوسرے ہزار (الفِ ثانی) کے آغاز کے بعد تبعیت و وراثت کے طور پر تازہ (تجدید) ہوئے ہیں اور تر و تازگی کے ساتھ ظہور پذیر ہوئے ہیں۔ ان علوم و معارف کا صاحب اس ہزار کا مجدد ہے (مجددِ الفِ ثانی)، چنانچہ اس کے ان علوم و معارف میں جو کہ ذات

صفات و افعال و احوال و تجلیات و ظہورات کے متعلق ہیں، نظر و فکر کرنے والوں پر پوشیدہ نہیں، وہ جانتے ہیں کہ یہ تمام علوم و معارف علماء کے علوم اور اولیاء کے معارف سے ماسوا ہیں بلکہ وہ علوم ان علوم کے مقابلہ میں پوست کی طرح ہیں اور یہ معارف اس پوست کے مغز کی مانند، واللہ سبحانہ الہادی۔

ایک مکتوب میں فرماتے ہیں: جاننا چاہیے کہ انبیاء علیہم السلام کے حق میں اس موہبت و بخشش (کمالاتِ نبوت) کا حاصل ہونا بے توسط و بے وسیلہ ہے اور انبیاء علیہم السلام کے اصحاب کے حق میں کہ جو تبعیت و وراثت کے طور پر اس دولت سے مشرف ہوئے ہیں، انبیاء علیہم السلام اور ان کے وسیلہ سے ہے، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم اجمعین کے بعد اور لوگ بہت کم اس دولت سے مشرف ہوئے ہیں، اگرچہ جائز ہے کہ تبعیت اور وراثت کے طور پر دوسروں کو بھی اس دولت سے سرفراز فرمائیں۔

میں خیال کرتا ہوں کہ اس دولت نے تابعین بزرگوں پر بھی اپنا پرتو ظاہر کیا ہے اور تبع تابعین بزرگوں پر بھی اپنا سایہ ڈالا ہے، بعد ازاں یہ دولت پوشیدہ ہو گئی حتیٰ کہ آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے الفِ ثانی (دوسرے ہزار سال) تک نوبت آ گئی اور اس وقت پھر وہ دولت تبعیت اور وراثت کے طور پر ظاہر ہو گئی اور آخر کو اول سے مشابہ کر دیا ہے۔

حضرتِ امامِ غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے مجدّد ہونے کا اظہار کیا ہے اور حضرتِ امامِ جلال الدین سیوطی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے مجدّد ہونے کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے: انی المبعوث علی رأس لمائة التاسعة لانفرادی بالتبحر فی انواع العلوم من التفسیر واصوله والحدیث وعلومه والفقه واصوله واللغة واصولها والنحو والصرف و

اصولها والجدل والمعانی والبیان والبدیع و التاریخ وتصنیفی فی جمیع ذٰلک المصنفات البارعة الفائقة التی لم اسبق الیٰ نظیرها وعدتها الی الاٰن نحو خمس مائة مؤلف وقد اخترعت علم اصول اللغة ودونته ولم اسبق علیه وهو علی نمط علم اصول الحدیث و علم اصول الفقه وسارت مصنفاتی وعلومی سائر الاقطار۔

(ہدیہ مجددیہ ص ۱۴۵)

یعنی میں نویں صدی کے سرے پر مبعوث ہوا ہوں (اور مجدّد سو سال کے سرے پر ہی ہوتا ہے) اور مجھے تمام علوم میں تبحّر اور مہارت حاصل ہے یعنی علمِ تفسیر، اصولِ تفسیر، حدیث، علومِ حدیث، فقہ، اصولِ فقہ، لغت، اصولِ لغت، نحو، صرف، اصولِ نحو و صرف، مناظرہ، معانی، بیان، بدیع، تاریخ۔ اور میں نے ان تمام علوم میں کتابیں جس طرح لکھی ہیں مجھ سے پہلے اسطرح کسی نے نہیں لکھیں چنانچہ اس زمانہ تک میں پانچسو تک کتابیں لکھ چکا ہوں اور میں نے علمِ اصولِ لغت ایجاد کیا ہے جو مجھ سے پہلے نہیں تھا جیسے کہ علمِ اصولِ حدیث اور علمِ اصولِ فقہ ہے (یعنی علمِ اصولِ لغت کو علمِ اصولِ حدیث اور علمِ اصولِ فقہ کے طریقہ پر ایجاد کیا ہے) اور میری کتابوں اور میرے علوم کی شہرت تمام اطراف میں ہے۔

چنانچہ ثابت ہوا کہ مجدّد تحدیثِ نعمت کے طور پر اظہار بھی کر سکتا ہے تاکہ لوگ اس سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کر سکیں اور مجدّد کے فیوض و برکات سے مستفیض ہو سکیں۔

کسی شخص پر مجدّد ہونے کا حکم علمائے وقت ہی لگا سکتے ہیں

نبی کو اپنی نبوت کا یقینی علم ہوتا ہے۔ جب تک نبی کو نبوت کا یقین نہیں ہو جاتا وہ نبوت کا دعوٰی ہی نہیں کرتا

جیسے کہ حدیثِ پاک میں ہے کہ حضرتِ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ (م ۳۲ھ) نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ حضور! آپ کو اپنے نبی ہونے کا یقین کیسے ہوا؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں بطحاءِ مکہ میں تھا میرے پاس دو فرشتے اس طرح آئے کہ ایک زمین پر تھا اور دوسرا زمین و آسمان کے درمیان تھا۔ ایک فرشتے نے دوسرے سے کہا کہ یہ وہی نبی ہیں جن کے پاس اللہ تعالےٰ نے ہم کو بھیجا ہے۔ دوسرے نے کہا ٹھیک یہی ہیں، پھر ایک نے دوسرے سے کہا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آپ کی امت کے سو افراد کے ساتھ وزن کر، اس نے وزن کیا پھر میرا وزن زیادہ نکلا، پھر اس نے کہا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو ایک ہزار امتی کے ساتھ وزن کر۔ جب وزن کیا گیا تو پھر میرا وزن زیادہ نکلا اور اب میرا وزن اتنا زیادہ تھا کہ قریب تھا کہ وہ لوگ مجھ پر گر پڑیں، پھر دوسرے نے کہا اگر نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو تمام امت کے ساتھ وزن کیا جائے تو پھر بھی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا وزن (نبوت) زیادہ نکلے گا اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم تمام امت پر غالب آئیں گے۔ (مشکوٰۃ شریف ص۱۰۴۲)

اس حدیثِ پاک سے صراحۃً ثابت ہوتا ہے کہ نبی کو اپنی نبوت کا یقین ہوتا ہے لیکن مجدّد کو یقین نہیں ہوتا البتہ مجدد دوسرے لوگوں کی بہ نسبت زیادہ صادق الکشف والالہام ہوتا ہے، اسے اپنے ظن و تخمین یا کشف والہام کے ذریعہ اپنے مجدّد ہونے کا علم ہو جاتا ہے اور وہ اپنے مجدّد ہونے کا اظہار کر دیتا ہے، اگر وہ اظہار نہ کرے تو پھر علمائے وقت اس کے دینی خدمات اور مقدس حالات اور تجدیدانہ مساعی دیکھ کر اس پر یا اس کی وفات کے بعد مجدّد ہونے کا حکم لگا سکتے ہیں جیسے کہ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ اور امام شافعی رضی اللہ عنہ پر مجدّد ہونے کا حکم لگایا ہے اور حضرتِ امیرِ ملت رحمۃ اللہ علیہ کی دینی خدمات اور تجدیدانہ مساعی اتنی بے شمار ہیں جن کو

آپ کے مجدد ہونے پر صراحۃً دلالت کرتے ہیں جن کا بالاجمال ہم نے ذکر بھی کیا ہے اسی لئے علامہ خیر شاہ حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے خزانہ تیراہ میں آپ کو مجدد لکھا ہے اور حضرت شیخ طریقت علامہ پیر سید اختر حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی سیرت امیر ملت میں آپ کو مجدد لکھا ہے۔

حضرت مولانا صوفی با صفا بخشی مصطفٰے علی خاں مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنی کتاب مستطاب 'آفتاب عالمتاب' میں حضرت امیر ملت قدس سرہ کو مجدد لکھتے ہیں، فرماتے ہیں کہ نیاز مند کی ملازمت کے ایام میں ایک مرتبہ ۱۹۲۹ء میں بمقام راج مندری ایک ایک مرتبہ اور بمقام پن کنڈا تین دن اعلیٰ حضرت ممدوح الشان نے نیاز مند کی عاجزانہ درخواست پر چیز کو میزبانی کا شرف بخشا، ان مقامات پر آپ کے مواعظ حسنہ کی مجلس روزانہ منعقد ہوتی رہیں بے شمار طالبان حق نے آپ سے بیعت کی، بمقام راج مندری ایک رات آپ کے مؤثر و مدلل وعظ سے متأثر ہو کر پچیس غیر مقلدین اپنے عقائد سابقہ سے تائب ہو کر آپ سے بیعت ہوئے اور صحیح راستے پر اہل سنت وجماعت کے عقائد کے مطابق چلنے کا وعدہ کیا، میرے پنشن لینے کے بعد اعلیٰ حضرت مجدد مائۃ حاضرہ نور اللہ مرقدہ نے چار مرتبہ میری عاجزانہ درخواست پر بنگلور میں نیاز مند کو ایک ایک ماہ سے زیادہ مدت شرف میزبانی سے نوازا۔ گو بنگلور اور اس کے اطراف واکناف میں اعلیٰ حضرت موصوف کے وابستگان پہلے سے ہزاروں کی تعداد میں موجود تھے لیکن ان ایام کے دوران قیام میں پُر زور مزید ارادت مند شرف بیعت حاصل کرتے رہے۔ کوئی دن خالی نہیں جاتا تھا جس میں نئے ارادت کیش داخل نہ ہوئے ہوں۔ (سیرت امیر ملت ص ۳۰۰)

مجاہد ملت حضرت علامہ سید محمود علی شاہ صاحب خطیب پاکستان (گجرات) فرماتے ہیں کہ میرے پیر و مرشد حضرت قبلہ پیر سید جماعت علی شاہ قدس سرہ چودہری صدی کے مجدد ہیں، آپ نے جو دینی اور ملی اور اسلامی خدمات سرانجام دی ہیں وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ آپ نے تبلیغ دین، قرآن وسنت کی اشاعت، بدعات کا قلع قمع

کفار کو اسلام میں داخل کرنا، جھوٹے نبی غلام احمد مرزا کا مقابلہ کرنا اور اسے دعوتِ مباہلہ دینا پھر اس کی موت کے متعلق پیشین گوئی کرنا اور پیشین گوئی کا پورا ہو جانا، مساجد اور مدارسِ دینیہ کا قیام، علماء اسلام کا احترام اور قوانینِ اسلام کا تحفظ، یہ تمام امور حضرتِ امیرِ ملت کے چودھویں صدی کے مجدد ہونے پر واضح شاہد ہیں۔

مجدد اپنے مقصد میں کامیاب ہوتا ہے

چونکہ منصب تجدید منصبِ نبوت کا ظلِ کامل ہے اور شئونِ تجدید، شئونِ نبوت سے ملتے جلتے ہیں اور انبیاء کرام علیہم السلام بلا خوفِ لومۃ لائم احکامِ خداوندی من وعن لوگوں تک پہنچا دیتے ہیں اور لوگ ہدایت کو قبول کریں یا نہ کریں، ان کا تبلیغی مقصد کامیاب ہوتا ہے، اگر کوئی اپنی ضد اور عناد کی وجہ سے حقیقت کو نہیں پہچانتا اور کفر و انکار پر جما رہتا ہے یا تکبر اور کجرائی کی بناء پر کسی حق بات کو سننے کے لئے تیار نہیں ہے تو انبیاء علیہم السلام نے ان کی اصلاح اور ایمان کے متعلق جو کوششیں فرمائی ہیں ان میں تو کسی کو کلام نہیں ہے بلکہ مقصد تبلیغ تھا جو مکمل اور پورا ہو گیا اگر کفار نے اسلام قبول نہیں کیا تو یہ کفار کی بدبختی ہے جو اپنی شقاوت اور بدبختی کی وجہ سے اپنی حق شناسی کی صلاحیت ضائع کر چکے ہیں اور ان کفار نے دلائلِ حق پر غور ہی نہیں کیا اور باطل پر ڈٹے رہے، ان کے دل سے قبولِ حق کی استعداد ضائع ہو گئی حتیٰ کہ ان کے دل بالکلیہ مردہ ہو گئے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ جس کے دل میں فکر، اندیشہ اور خطرہ نہ ہو وہ کبھی نبوت سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ نبوت سے فائدہ تو وہ انسان اُٹھا سکتا ہے جس کے دل میں ڈر ہو، بھلائی اور برائی میں تمیز کرتا ہو اور برائی سے بچنا چاہتا ہو اور بھلائی کا طالب ہو اور شرارت و عناد اور مخاصمت حق اس میں نہ ہو اور آخرت اور آخرت کے محاسبہ کا تصور اس کے ذہن میں ہو اور کفار جب نبوت سے متصادم ہوتے ہیں تو ان کے دل پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو جاتے ہیں، ان میں کوئی نرمی نہیں رہتی، کوئی احساس باقی

باقی نہیں رہتا، زندگی میں کوئی رمق نہیں ہوتی، ان کی طبیعتیں کھوکھلی، جامد اور بے حس ہو جاتی ہیں گویا کہ ان کے دلوں میں نبوت کے قبول کی صلاحیت ہی ختم ہو جاتی ہے۔ یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ حق میں قوتِ فاعلی نہیں ہے بلکہ اصل بات یہ ہے کہ مفعول میں قوتِ قابلیت نہیں رہتی۔ حق کا کام تبلیغ تھا، اس نے وہ مکمل کر دیا بلکہ حق کی قوت آخرت تک کام کرتی رہتی ہے، صرف خرابی تو مفعول کی قوت میں ہے جس نے اپنے قویٰ کو بالکلیہ نبوت کی نافرمانی کے سبب جامد اور ضائع کر دیا ہے جس کی وجہ سے زبان، گوش اور چشم سب بیکار ہو گئے ہیں اور ظلمت اور ضلالت اور گمراہی میں پھنس گئے ہیں۔ حق و باطل میں تمیز نہیں کر سکتے اور گمراہی و ضلالت میں بھٹکنے کی ذمہ داری بھی خود ان کفار پر ہی عائد ہوتی ہے۔ اللہ تعالےٰ تو نورِ بصارت اسی کا سلب کرتا ہے جو خود حق کا طالب نہیں ہوتا اور خود ہدایت کی جگہ گمراہی کو اپنے لئے پسند کرتا ہے خود صداقت کا روشن چہرہ نہیں دیکھنا چاہتا۔ جب کافروں نے نورِ حق سے منہ پھیر کر ظلمت اور باطل ہی میں بھٹکنا چاہا تو اللہ تعالےٰ نے اسی کی توفیق دے دی، آفتابِ نبوت و ہدایت نے تو تمام عالم کو روشن کیا تھا، یہ خود ہی چمگادڑ کی طرح نور اور روشنی سے دور بھاگتے رہے، وحی اور نبوت کے ذریعے عقائد، اعمال، اخلاق خوب واضح ہو کر سامنے آ گئے تھے، یہ ان کفار کی اپنی شقاوت اور محرومی ہے کہ اس وقت بھی جبکہ تمام جہاں آفتابِ نبوت سے منور ہو چکا تھا، بھی ان پر منزل گم رہی ہے اور ان کی گوہرِ مقصود تک رسائی نہیں ہو سکی اور انہوں نے خود اپنی اندرونی بصیرت کو تباہ کر دیا ہے اور اللہ تعالےٰ کی دی ہوئی عقل کو تاراج کر کے تاریکیوں میں گم ہو گئے تھے اور اپنے سارے حواس بھی کھو بیٹھے تھے اب حق اور باطل، ایمان اور کفر اور توحید اور شرک، سنت اور بدعت، حلال اور حرام میں تمیز نہیں کر سکتے۔ نبوت اور ہدایت کا اس میں کیا قصور ہے اور ہدایت کوئی ایسی چیز تو نہیں جو جبراً لوگوں کے حلقوم میں اتار دی جائے۔ بارانِ رحمت میں زمین اور زمین کی

تمام مخلوقات کے لئے زندگی ہے لیکن جو زمین بنجر اور شور ہے، اس میں صلاحیت ہی نہیں ہے کہ وہاں گلِ لالہ اور پھول پیدا ہوں، اب ہر سمجھدار یہی کہے گا کہ بارش یعنی قوتِ فاعلیہ کا اس میں قصور نہیں ہے بلکہ زمین جو کہ مفعول ہے تمام قصور تو اسمیں ہے جس نے قوتِ فاعلیہ کا اثر قبول نہیں کیا، اسی طرح نبوت میں کوئی کمی نہیں تھی، تمام کوتاہیاں تو کفار میں تھیں جنہوں نے نورِ نبوت کو قبول نہیں کیا، نبوت تو اپنے تمام مقاصد میں کامیاب رہی جس طرح ہر نبی اپنے مقصد میں کامیاب و کامران ہوتا ہے، اسیطرح مجددِ بھی اقامتِ دین، تبلیغِ اسلام، احیائے سنّت اور بدعات کے خاتمہ کی حتی الوسع کوشش کرتا ہے جسکی بنا پر یہ کہا جائے گا کہ ہر مجدّد اپنے مقصد میں کامیاب رہا ہے، مشیتِ ایزدی کے مطابق ہی لوگ نبی سے ہدایت حاصل کرتے ہیں اسیطرح مشیتِ ایزدی کے مطابق ہی لوگ مجدّد کے فیض سے مستفیض ہوتے ہیں، جس طرح نبی صلے اللہ علیہ وسلم مؤمنوں کے سامنے آیات تلاوت فرماتے ہیں اور کتاب و حکمت سکھاتے ہیں اور اُن کے دلوں کو پاک کرتے ہیں اسی طرح مجدّد لوگوں کے سامنے تبلیغ دین کے لئے آیات پڑھ کر سناتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش کردہ تعلیمات اور طریقہ سے جو اُس کے پاس بطریق توارث مشائخ کرام پہنچے ہیں، اپنے متبعین و متوسلین کے نفس کا تزکیہ کرتا ہے اور اُنکے دلوں کو جلا بخشتا ہے اور احکامِ قرآنی اور مسائلِ دینیہ کی تعلیم دیتا ہے اور دین کو اس کی اصل شکل میں پیش کرتا ہے اور زمانہ کے گذرنے کے ساتھ ساتھ جو تغیر و تبدل احکام و عقائدِ دین میں گمراہ اور بدعتی لوگوں کی طرف پیدا ہوجاتا ہے، مجدّد اسکی اصلاح کرتا اور دین کی صحیح تعلیم دیتا ہے اور بدعات فی الدین کا ازالہ کرتا ہے اور جو سنتیں مردہ ہوگئی ہیں، ان کو زندہ کرتا ہے۔ (حضرتِ مجدّدِ الف ثانی ص۳)

حضرتِ امیرِ ملت قدس سرہ بھی چونکہ چودھویں صدی کے مجدد تھے

لہٰذا آپ بھی اقامتِ دین، تبلیغ اسلام، احیائے سنت اور تجدیدانہ مساعی میں کامیاب ہوئے تھے۔

جب مرزا غلام احمد قادیانی سے مقابلہ ہوا تو حضرتِ امیرِ ملت قدس سرہٗ نے اسے بالمشافہہ گفتگو کے لئے کہا تو مرزا غلام احمد نے انکار کر دیا، پھر آپ نے اس کو مباہلہ کی دعوت دی، اُس نے اِس سے بھی انحراف کیا، پھر حضرت امیرِ ملت نے تمام لوگوں کے سامنے مرزا کی موت کے متعلق پیشین گوئی فرمادی کہ مرزا غلام احمد فلاں وقت مرجائے گا تو آپ کی یہ بات اللہ تعالےٰ نے پوری فرمادی۔

جب فتنۂ ارتداد شروع ہوا تو آپ نے اپنی کامیاب مساعی کے ساتھ اس کا بھی انسداد فرمایا۔ جب حکومتِ برطانیہ نے اسلام کے خلاف ساردا ایکٹ نافذ کرنے کی کوشش کی اور یہ مداخلت فی الدین کی تو آپ کی کوشش سے اس فتنے کا سدِباب ہوا۔ الغرض حضرتِ امیرِ ملت نے جس نیک مقصد کی طرف قدم اٹھایا اللہ تعالےٰ نے آپ کو کامیابی سے ہمکنار فرمایا اور نبی صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے دین کی مکمل تجدید فرمائی اور آپ اپنے تمام تجدیدانہ مساعی میں کامیاب ہوئے۔

مجدّدِ عوام اور خواص میں مقبول ہوتا ہے

مجدد جیسے علومِ شرعیہ اور علم ظاہر و باطن میں کامل و مکمل ہوتا ہے اسی طرح اسکی معرفت اور پہچان کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ عوام اور خواص میں مقبولیتِ تامہ رکھتا ہو۔ حدیثِ پاک میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالےٰ کسی بندے کے ساتھ اپنی محبت کے اظہار کا ارادہ فرماتے ہیں تو حضرتِ جبریل علیہ السلام کو بلاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میں فلاں شخص کو دوست رکھتا ہوں۔ تو بھی اس کو دوست رکھ، جبریل علیہ السلام اس کو دوست رکھتا ہے پھر جبریل علیہ السلام اللہ تعالےٰ کے ارشاد کے مطابق آسمان میں ندا اور اعلان کرتا ہے کہ

فلاں شخص کے ساتھ اللہ تعالےٰ محبت کرتا ہے تم بھی اس کے ساتھ محبت رکھو، تمام آسمان والے اس سے محبت کرتے ہیں، پھر اس کے لئے قبولیت یعنی آثارِ محبت زمین میں رکھی جاتی ہے کہ تمام زمین والے جن اور انسان اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ (مسلم، مشکوٰۃ)

حدیثِ پاک کا مطلب ظاہر ہے کہ جب اللہ تعالےٰ اور جبریل علیہ السلام اور دیگر ملائکہ آسمان اس بندے کے ساتھ محبت کا اظہار کرتے ہیں تو پھر دنیا والوں کے دلوں میں بھی اس کی محبت پیدا کر دی جاتی ہے، لوگوں کے دل خود بخود اس کی طرف میلان کرتے ہیں اور لوگ اسے چاہنے لگتے ہیں اور تمام خواص و عوام میں مقبول ہو جاتا ہے۔ ایسے مقبول بندے کے ساتھ کوئی بغض یا عداوت رکھتا ہے تو وہ بد باطن ہے۔ اولیاء اور صلحاء کے ساتھ بغض رکھنا خبثِ باطن کی علامت ہے۔

حضرتِ امیرِ ملت قدس سرہ خواص اور عوام میں بے پناہ مقبول اور محبوب تھے۔ مدینہ منورہ کے حضرتِ حمزہ رفاعی رحمۃ اللہ علیہ جو سلاطینِ ترک کے مرشد تھے، وہ فرماتے تھے کہ حضرتِ امیرِ ملت کا اس زمانہ میں کوئی ثانی اور ہمسر نہیں ہے آپ بہت بڑے ولیِ کامل ہیں اور حاجی عمران رحمۃ اللہ علیہ جو کہ اکثر مدینہ منورہ اور بارگاہِ نبوی میں حاضر رہتے تھے، فرماتے تھے کہ اس وقت حضرتِ امیرِ ملت کا تمام روئے زمین پر تصرّف ہے، درجۂ ولایت میں کوئی مرتبہ ایسا باقی نہیں ہے جو آپ کو نہ ملا ہو۔

مولانا مولوی محمد خوب احمد آبادی رحمۃ اللہ علیہ جو حضورِ امیرِ ملت کے خلیفہ مجاز بھی ہیں فرماتے ہیں کہ جب حضرتِ امیرِ ملت رحمۃ اللہ علیہ پہلی مرتبہ بمبئی تشریف لے گئے تو میں بھی ہم رکاب تھا، بمبئی میں پہلے آپ کے صرف ایک ہی مرید

مرید تھے جن کا نام غلام محی الدین تھا۔ غلام محی الدین کے ہاں حضورؒ نے قیام فرمایا تھا۔ اس نے عرض کیا کہ حضورؒ آپ اکیلے بیٹھے ہیں آپ توجہ فرمائیں تو لوگ حاضر ہوں؟ حضورؒ نے فرمایا! تم کو کیا فکر ہے۔ لوگ خود ہی آجائیں گے۔

مولانا محمد خوب فرماتے ہیں کہ اس کے بعد ہی لوگ آنا شروع ہو گئے اور پھر تو وہ ہجوم ہوا کہ بیان نہیں ہو سکتا، کوئی دعا کرانے آرہا ہے تو کوئی تعویذ لینے' کوئی بیماری کی شکایت کر رہا ہے تو کوئی دوسری مشکلات کا حل چاہتا ہے' کوئی عقائد و مسائل معلوم کرتا ہے تو کوئی داخلِ سلسلہ ہونے کی درخواست کر رہا ہے' مرد بھی ہیں عورتیں بھی، پیدل بھی ہیں اور سوار بھی آرہے ہیں غرض تانتا بندھا ہوا ہے، یہی اللہ کے مقبول بندہ ہونے کی نشانی ہے، اللہ تعالےٰ خود ہی لوگوں کے دلوں میں اپنے مقبول بندے کی محبت ڈالتا ہے، لوگ اسکی طرف میلان کرتے ہیں اور اسے چاہنے لگتے ہیں۔

آپ کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ تمام لوگ یہ چاہتے کہ حضورؒ ہمارے ہاں تشریف لائیں۔ چونکہ آپ کو سب کی دلجوئی منظور تھی لہٰذا آپ فرماتے اچھا! قرعہ ڈالو، جو اللہ تعالےٰ کو منظور ہو گا وہی قرعہ میں نکلے گا، چنانچہ آپ قرعہ اندازی کے مطابق سفر کرتے۔

شیخ طریقت حضرتِ علامہ پیر سیّد اختر حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضورؒ کے ہمراہ تھا اور مدراس کا قرعہ نکلنے پر ہم لوگ مدراس جا رہے تھے' جب حضورؒ صبح مدراس پہنچے تو اتنی خلقت تھی کہ الامان والحفیظ! اور حضورؒ کا کمال یہ تھا کہ ہر شخص سے معانقہ اور مصافحہ کر کے حال اور خیریت دریافت فرماتے رہے۔ اسٹیشن ماسٹر انگریز تھا، حیران کھڑا دیکھتا رہا کہ یہ شخص کون ہے؟ آخر اس نے ایک آدمی سے دریافت کیا تو اسے بتایا گیا کہ یہ ہمارے بزرگ اور پیر ہیں، وہ حیرت زدہ ہو کر

کہتا تھا کہ یہ واقعی بڑے بزرگ ہیں ورنہ اتنی مخلوق تو کسی بادشاہ کے لئے بھی جمع نہیں ہوتی، نہ کسی کے سامنے اتنی عقیدت اور محبت کا اظہار کرتی ہے۔

سیرتِ امیرِ ملت میں ہے کہ حضرتِ امیرِ ملت امرتسر میں میاں غلام جیلانی صاحب کے گھر تشریف فرما تھے۔ ترن تارن کے لوگ حضورؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بے حد اصرار کیا کہ حضورؒ آپ ترن تارن تشریف لائیں، حضورؒ نے وعدہ فرما لیا بعض یارانِ طریقت نے عرض کی حضورؒ ترن تارن سکھوں کا مرکز ہے، وہ اسلام کے دشمن ہیں، آپ ترن تارن ہرگز تشریف نہ لیجائیں۔ حضرتِ امیرِ ملت نے ان کو فرمایا کیا تم مجھے کافروں سے ڈراتے ہو، میں سیّد ہوں، جو سیّد ہے وہ ڈرتا نہیں اور جو ڈرتا ہے وہ سیّد نہیں، میں اسلام کی حقانیت بیان کرنے اور تبلیغ کرنے کے لئے ضرور جاؤں گا نیز ارشاد فرمایا کہ رحمت علی کے سوا میرے ساتھ اور کوئی نہیں جائے گا، اب تو یارانِ طریقت اور زیادہ پریشان ہوئے، بہت منت سماجت کی اور عرض کیا کہ ہم ضرور حضورؒ کے قدموں کے ساتھ رہیں گے اور حضورؒ کو تنہا نہیں جانے دیں گے' آپ نے فرمایا تم میرے محافظ ہو؟ ہرگز نہیں، میرا محافظ میرے ساتھ ہے' وہ خود میری حفاظت فرمائے گا، میں اکیلا نہیں ہوں میرے رب کی قوت میرے ساتھ ہے۔

حافظ رحمت علی صاحب کا بیان ہے کہ میں اکیلا ہی حضرتِ امیرِ ملت کے ہمراہ گیا اور ہر اسٹیشن پر لوگ زیارت کے لئے آتے رہے جن میں زیادہ تعداد سکھوں کی ہوتی، وہ آپ کے قدموں کو ہاتھ لگاتے اور کہتے کہ یہی سچ کا گرو ہے۔

غرض اسی طرح گاڑی ترن تارن پہنچی، وہاں لاتعداد مسلمان اور سکھ استقبال کے لئے موجود تھے اور ترن تارن اسٹیشن سے قیام گاہ تک حضورؒ کو ایک بڑے جلوس کے ساتھ پہنچایا گیا، رات کو حضرتِ امیرِ ملت جلسہ گاہ میں تشریف لیگئے جہاں بڑا اجتماع تھا، جلوس کی طرح جلسے میں بھی مسلمانوں سے زیادہ تعداد میں

سکھ جمع تھے۔ حضرتِ امیرِ ملت نے خطبہ پڑھنے کے بعد فرمایا کہ مذہب اپنا اپنا ہے اور عقیدہ اپنا اپنا، مگر ہمارا مذہب اللہ کے فضل سے سچا ہے اور تمہارا سکھوں کا مذہب غلط ہے۔ تمہارے پاس انسانی کتاب ہے جو بندے کا کلام ہے اور ہمارے پاس آسمانی کتاب ہے جو خدا کا کلام ہے، ہمارا دین اللہ کا دین ہے، ہمارا رسول سچا ہے جس کے واسطے سے اللہ تعالٰے نے ہم پر کتاب اتاری اور اپنے دین کا ہمیں راستہ دکھایا۔ آپ نے تین گھنٹے تقریر فرمائی، اسلام کی صداقت بیان کی، سکھوں کے مذہب کو جھوٹا اور اپنے مذہب اسلام کو سچا ثابت فرمایا۔

حضرتِ امیرِ ملت نے اسی جلسہ میں فرمایا کہ میں تمہارے سامنے بلند آواز سے قرآنِ مجید کی آیت پڑھ کر تلوار پر دم کرتا ہوں، پھر وہ تلوار تم کسی کو بھی مارو، ہرگز نہیں کاٹے گی، اسی طرح تم کسی قسم کا کیسا ہی مریض میرے پاس لاؤ، میں اس پر قرآن شریف پڑھ کر دم کروں گا تو وہ خدا کے فضل سے اسی جلسے سے صحت یاب اور تندرست ہو کر واپس جائے گا۔ آپ نے چیلنج کیا کہ تم سب سکھ گرنتھ پڑھ کر دم کر کے دیکھ لو، ایسا ہوتا ہے یا نہیں؟ اسی سے معلوم ہو گا کہ سچا کون ہے اور جھوٹا کون۔ سارے جلسے میں کسی کو مجال نہ ہوئی۔ حضور کے چیلنج کو قبول کرتا یا مخالفت کی جرأت کر سکتا۔ (سیرتِ امیرِ ملت ص ۱۸۹)

حضرت صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ صاحب سجادہ نشین آلو مہار شریف نے حضرتِ امیرِ ملت کو ان الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا ہے، فرماتے ہیں:-

"ایسے وقت میں جبکہ روشیں ویران اور آبجوئیں خشک ہو چکی تھیں کہ اچانک ابرِ رحمت نمودار ہوا، گلزارِ عالم میں آثارِ حیات ہویدا ہوئے، اس کا تقاطر بہار آفریں اور مردہ زمین کو حیاتِ جاوداں بخشنے والا تھا، انسانیت کے پژمردہ چہرے پر رنگِ شباب نکھرنے لگا، بادِ خزاں کے ہزیمت خوردہ درختوں کی عریاں شاخوں کو از سرِ نو خلعتِ برگ و بار عطا ہوا کہ

وہ آفتاب عالمتاب طلوع ہوا، اس نیرِ اعظم نے شب و روز سفر کی صعوبتیں برداشت کرکے اُن سرنگوں مسلمانوں کی آنکھوں میں آنکھ ڈال کر اُن کو بینا و روشن کردیا اور اُن کے ظلمت کدوں میں پہنچکر اُن کے تاریک ترین گوشوں کو منور و ضوفشاں کردیا۔ ان سیاہ ذروں کو تابندہ ستارے بنادیا، اپنی تمازتِ عالمتاب سے پژمردہ دلوں کو گرمایا اور تازہ خون پیدا کیا، خوابیدہ احباب کو جگایا اور ہشیار کیا اور میدانِ عمل میں لا کھڑا کیا۔ اور ان سے کام لیا حالانکہ اس وقت نہ کوئی واعظ تھا نہ وعظ سننے والا نہ جلسہ تھا نہ جلوس، نہ انجمن تھی نہ کارکن، صرف حضرتِ امیرِ ملّت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ ہی سب کچھ تھے اور آپ نے یکہ و تنہا اصلاحِ دین کا بیڑا اٹھایا تھا۔"

اور سیرتِ امیرِ ملّت (زیرِ عنوان "تحریکِ قیامِ پاکستان") میں ہے کہ روزنامہ نوائے وقت، لاہور نے ۱۶ اپریل ۱۹۷۰ء کو اپنی اشاعتِ ملّی میں ایک مقالہ "تحریکِ پاکستان کا نڈر مجاہد" کے عنوان سے شائع کیا تھا۔ اس میں مقالہ نگار نے لکھا تھا کہ حضرتِ امیرِ ملّت پیر سید جماعت علی شاہ صاحب قدس سرہ کی بصیرت کا یہ عالم تھا کہ ہر وہ تحریک جو ہندوستان میں چلائی جاتی، آپ اس کا بغور مطالعہ فرماتے اور ایسی تحریکیں جو مسلمانوں کے مفاد کے خلاف یا مذہبی و دینی لحاظ سے ان کے لئے خطرناک ثابت ہوسکتی تھیں، آپ حکومتِ وقت کی پرواہ کئے بغیر ان کے خلاف نبرد آزما ہوجاتے تھے۔ تحریکِ شہید گنج میں سکھوں اور انگریزوں کے خلاف ٹکر لے کر مسجدوں کی اہمیت و حرمت کے احساس کا جذبہ مسلمانوں کے اندر پیدا کیا اور قوم نے انہیں 'امیرِ ملّت' کے خطاب سے نوازا۔ شدھی تحریک (مسلمانوں کو ہندو بنانے کی تحریک) کے

سیلاب کے آگے بند باندھنے اور ہندؤں کے زور کو توڑنے کے لیے تن من دھن کی بازی لگادی، شریعت مصطفوی کو عام کرنے کے لیے آپ نے برصغیر پاک و ہند میں بے شمار دینی اور تبلیغی انجمنوں کی بنیادیں ڈالیں تاکہ مسلمانوں میں دینی فکر کی اساس مضبوط ہوسکے جیسا کہ آج بھی کئی ایسی انجمنیں مثلاً انجمن خدام الصوفیہ اور انجمن اسلامیہ وغیرہ زندہ ہیں جن کی بنیاد آپ نے رکھی تھی۔

سیرت امیر ملت باب ششم میں ہے کہ جناب عزیز مخدومی امرتسری ایڈیٹر رسالہ 'جماعت'، ایک سفر میں حضرت امیر ملت قدس سرہ العزیز کے ہمرکاب رہے تھے، انہوں نے اپنے ماہوار رسالے 'جماعت' بابت ماہ نومبر و دسمبر ۱۹۲۴ء میں اس دورے کی مختصر روداد چھاپی تھی، انہی کے الفاظ میں درج کرتا ہوں جس سے اندازہ ہوسکے گا کہ آپ کے دینی اور ملی خدمات اور تجدیدانہ مساعی کیسے تھے۔ اوائل نومبر میں جذبۂ ارادت جو کہترین خدام کو قدوۃ الکاملین، زبدۃ العارفین، رئیس المحدثین عالی جناب حضرت مولانا حاجی حافظ پیر سید **جماعت علی** شاہ صاحب قبلہ دامت برکاتہم وفیوضہم سے ہے مجھے کشاں کشاں علی پور سیداں لے گیا تو ایک روز کے بعد حضرت قبلہ عالم شاہ صاحب مدظلہ نے اشاعت اسلام کے لئے سفر اختیار فرمایا، مجھے ہمراہ رکاب رہنے کا حکم ہوا، علی پور سیداں سے سیالکوٹ پہنچے جہاں کے یاران طریقت کی مشتاقانہ التجاؤں نے حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کو چند روز تک روک رکھا، اس کے بعد چونکہ انجمن نعمانیہ ہند، لاہور کا جو پنجاب میں ایک عظیم الشان اور واحد مجلس حنفیہ ہے، عرصۂ دراز سے احناف کرام کی تعلیمی و مذہبی خدمات انجام دے رہی ہے، سینتیسواں[۳۷] سالانہ جلسہ تھا اور انجمن موصوف نے شاہ صاحب کو شرکت کے لئے دعوت دی تھی، اس لئے مع چند یاران طریقت عازم لاہور ہوئے، میں بھی رکاب میں تھا، لاہور پہنچکر مسجد بٹولیاں میں فروکش ہوئے اور حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی تشریف آوری کی خبر لاہور کے طول و

عرصہ میں برقی رَو کی طرح پھیل گئی، ارادت کیش و عقیدت اندیش جوق جوق شوقِ زیارت سے بے تاب ہو کر آنے لگے۔ حضرتِ مولانا مولوی مفتی حاجی سید ابو محمد محمد دیدار علی صاحب الوری، خطیب جامع مسجد وزیر خاں کی علالتِ طبع کی وجہ سے انجمن معین الاسلام دائرۃ الاصلاح لاہور اور حزب الاحناف لاہور کے اراکین کا ایک وفد خدمتِ مبارک میں حاضر ہوا اور حضور قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کی کہ نمازِ جمعہ آپ ہی پڑھائیں۔ حضور نے قبول فرمایا اور نمازِ جمعہ کی امامت فرمائی۔ نماز کے بعد کامل تین گھنٹے تک مسلسل وعظ فرماتے رہے جس میں محققانہ و عالمانہ معارف بیان فرمائے اور متعدد مسائلِ حقہ نہایت مؤثر انداز میں وضاحت کے ساتھ بیان کئے، ابنِ سعود کی فتنہ پردازیوں اور ظلم و ستم کا تذکرہ کیا جو اُس نے ہزار ہا سچے مسلمانوں پر بلاوجہ روا رکھے اور جن کی نسبت کثیر التعداد علماء و صلحاء اور ثقہ زائرین کی عینی شہادتیں موجود ہیں۔

دوسرے روز انجمن نعمانیہ لاہور کے جلسے میں تشریف لے گئے، نمازِ ظہر کے بعد گیارہ بجے رات تک شریکِ جلسہ رہے، اس عرصے میں جن نمازوں کے وقت آئے، جلسہ گاہ میں ادا فرمائیں۔ اس جلسہ میں حضور قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سو اکیس روپے چندہ دینے کے وعدہ فرمایا۔ رات کے گیارہ بجے کے بعد مسجد ٹولیاں میں واپس تشریف لائے۔ دوسرے روز اتوار کو پھر جلسے میں رونق افروز ہوئے اور نمازِ ظہر کے بعد حضور قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے تقریر شروع کی جو کہ اپنی جامعیت اور احتوائے شریعت و طریقت کے اعتبار سے دریا بہ کوزہ کی مصداق تھی۔ جملے جملے، فقرے فقرے اور لفظ لفظ سے نکاتِ معرفت کے چشمے ابل رہے تھے۔ غرض حضور کے ارشادات کیا تھے، قرآن و حدیث کا نچوڑ تھا۔ حاضرین نہایت متاثر و محظوظ ہوئے، اس وقت حضور نے رقم موعودہ عطا فرمائی اور مولانا مولوی محمد یار صاحب بہاولپوری کے وعظ پر سولہ روپے اور بھی عطا کئے، اس کے علاوہ پیر بھائیوں نے بھی ایک معتد بہ رقم

انجمن کو امداد کے طور پر دی۔ عصر کی نماز کے بعد مولوی ظفر علی خاں صاحب بی۔ اے علیگ مالک اخبار زمیندار، لاہور کو جو حضرت قبلۂ عالم کی زیارت کے لئے جلسے میں آئے ہوئے تھے، کچھ کہنے کا موقع دیا گیا جنہوں نے علوم دینیہ کی ترغیب و تحریص کے متعلق ایک برجستہ تقریر کی اور حضرت شاہ صاحب قبلہ دامت برکاتہم کی مساعیٔ جمیلہ کا نہایت شرح و بسط کیساتھ ذکر کیا جو حضور قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے میدانِ ارتداد میں عمل میں لائی جا رہی ہیں اور بتایا کہ اس اہم ترین خالص دینی و اسلامی کام میں جس قدر حضرتِ قبلۂ عالم مدظلہ العالی نے سرگرم حصّہ لیا ہے، اس کی نظیر عہدِ حاضر کی تمام اسلامی انجمنوں کے کارناموں میں بحیثیتِ مجموعی بھی نہیں ملتی۔

انجمن نعمانیہ لاہور کے جلسے سے فارغ ہوئے تو یارانِ طریقت کے اصرار سے چند روز اور لاہور میں ٹھہرنا پڑا۔ حضرت مولانا مولوی مفتی سیّد ابو محمد محمد دیدار علی صاحب الوری خطیب مسجد وزیر خاں ہنوز شفایاب نہیں ہوئے تھے اس لئے جنابِ شاہ صاحب مدظلہ کی خدمتِ بابرکت میں پھر ایک وفد حاضر ہوا کہ اس مرتبہ بھی نمازِ جمعہ کو حضور قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ ہی امامت فرمائیں نیز اہلِ لاہور کو اپنے مواعظِ حسنہ سے بہرہ اندوزِ سعادت ہونے کا ایک دفعہ اور موقع دیں، چنانچہ دوسرا جمعہ بھی حضور قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے وزیر خاں کی مسجد میں پڑھایا۔

ایک دو روز قیام کرنے کے بعد اہلِ قصور کی پے در پے درخواستوں کی وجہ سے قصور تشریف لے گئے۔ خوش نصیبی سے اس تمام سفر میں نیازکیش بھی گردِ راہ کی طرح دامنِ عاطفت سے لپٹا رہا۔ یہاں بھی مسلمانوں کی ایک انجمن قائم ہے جسے انجمن خدام المسلمین کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس انجمن کا سالانہ جلسہ دوسرے ہی روز شروع ہونیوالا تھا۔ اس میں باتفاقِ آرا حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ ہی صدر بنائے گئے۔ جہاں آپ نے اشاعتِ اسلام کے موضوع پر ایک ولولہ انگیز اور معرکۃ الآرا تقریر فرمائی،

حاضرین جو ہزاروں کی تعداد میں جمع تھے، بے حد متاثر ہوئے۔

انجمن خدام المسلمین نے دو سال کے قلیل عرصے میں ایک ہزار آٹھ سو غیر مسلموں کو دائرۂ اسلام میں داخل کیا ہے۔ بلاشبہ انجمن خدام المسلمین قصور کا یہ کارنامہ سزاوارِ تبریک و تحسین اور دیگر انجمنوں کے لئے بہترین نمونۂ عمل ہے۔ اراکینِ انجمن مذکور کی خدمات و ضروریات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے عالی جناب حضرت قبلۂ عالم شاہ صاحب محدثِ علی پوری مدظلہ العالی نے جیبِ خاص سے ایک سو پندرہ روپے عطا فرمائے۔ یہ بات خاص طور پر قابلِ مسرت ہے کہ یہ انجمن بھی حضرتِ قبلۂ عالم شاہ صاحب مدظلہ کے فدائیوں ہی کی دینی سرگرمیوں کا نتیجہ ہے۔

اختتامِ جلسہ کے بعد بھی ایک روز کے لئے قصور میں قیام رہا۔ صبح کا وقت تھا، یارانِ طریقت زیارت کے لئے حاضر تھے کہ اتفاقاً حضور کی توجہ رسالہ 'جماعت' کی طرف منعطف ہو گئی اور گوشۂ چشم کے ایک اشارے سے سب کے سب پیر بھائیوں نے 'جماعت' کا سالانہ چندہ پیشگی ادا کر دیا اور خریدار بن گئے، چنانچہ ان کے اسمائے گرامی اسی اشاعت میں کسی دوسرے مقام پر درج ہیں۔

حضور قبلۂ عالم قصور سے کالو والہ کی طرف تشریف لے گئے اور وہاں دو روز قیام کیا، یارانِ طریقت کو روحانی تسلی و تسکین کا سبق دینے کے بعد فیروز پور کی طرف نہضت فرما ہوئے جہاں کے پیر بھائی عرصۂ دراز سے چشم براہ تھے، شہر اور قصبات و دیہات کے فدائی بکثرت زیارت کے لئے حاضر ہوئے اور یہاں حضور قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے جمعہ کی نماز عید گاہ میں پڑھائی اس لئے کہ شہر کی کوئی مسجد اس قدر انبوہِ خلائق کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔ نمازِ جمعہ کے بعد حضرتِ ممدوح نے ایک پُرزور وعظ فرمایا جس نے الحاد، زندقہ اور بے دینی کی جڑیں کھوکھلی کر دیں اور مسلکِ اہلِ سنت وجماعت کی تائید وحمایت میں اپنے مخصوص صوفیانہ انداز میں جو مبدءِ فیاض

کی طرف سے حضورِ پُرنور قبلۂ عالم شاہ صاحب کو ودیعت کیا گیا ہے اور جس کا فیضان حضرتِ قبلہ کے جدِّ امجد سرورِ کائنات فخرِ موجودات علیہ افضل الصلوات والتحیات کے چشمۂ ہدایت سے آپ تک پہنچا ہے، زبردست دلائل و براہین پیش کیے۔ رات کو انجمن حنفیہ فیروزپور کے ایک خاص جلسے کی حضورِ قبلہ نے صدارت فرمائی اور ایک سو روپیہ بطورِ امداد عطا کیا۔

خاکسار جس روز سے حضرت شاہ صاحب قبلۂ عالم مدظلہ العالی کے ساتھ تھا، کئی مرتبہ رسالہ کی اشاعت کے خیال سے رخصت طلب ہوا لیکن اجازت نہ مل سکی، بارے فیروزپور سے فراغت پانے کے بعد میری درخواست کی بھی شنوائی ہو گئی اور عطائے اجازت کے ساتھ ہی حضورِ قبلۂ عالم نے ایک سو سولہ روپے بطورِ اعانتِ رسالہ جیبِ خاص سے مرحمت فرمائے۔ وہاں سے میں امرتسر کو آ گیا اور حضرتِ قبلہ فریدکوٹ تشریف لے گئے جہاں ایک دن کے قیام کے بعد رہتک ہوتے ہوئے براہِ راست چند علماء کی معیت میں انسدادِ فتنۂ ارتداد کے لئے غالباً ۲۵ نومبر کو آگرہ پہنچے۔ راجہ منڈی اسٹیشن پر مولانا قاضی احسان الحق صاحب ناظم جماعتِ رضائے مصطفٰے، بریلی اور مولوی قاضی حفیظ الدین صاحب ناظم انجمن خدام الصوفیہ مع رضاکاران و رؤسائے شہر موجود تھے جنہوں نے دلی تپاک سے حضورِ سراپا نور قبلۂ عالم محدثِ علی پوری مدظلہ العالی کا نہایت شاندار طریقہ سے خیر مقدم کیا اور پروانہ وار اس شمعِ ولایت پر نثار ہونے لگے۔ (رسالہ جماعت، بابت ماہ نومبر و دسمبر ۱۹۲۴ء و سیرتِ امیرِ ملت ص ۳۰۵)

ایک مرتبہ حضرت امیرِ ملت قدس سرہٗ انجمن حمایت اسلام لاہور کے جلسہ کی صدارت کے لئے تشریف لے گئے۔ وہاں علامہ اقبال مرحوم بھی تشریف لائے، ڈاکٹر اقبال حضرتِ امیرِ ملت کے پاؤں کے قریب نیچے فرش پر بیٹھ گئے۔ حضرتِ امیرِ ملت نے فرمایا کرسی پر تشریف رکھئے، علامہ اقبال نے عرض کیا۔ اقبال حضرت کے قدموں

میں ہی اچھا ہے۔ اس پر حضور نے کہا جس کے قدموں میں اقبال ہو پھر اسے کیا پرواہ ہے۔
ڈاکٹر اقبال نے اس فقرے کا بہت لطف لیا اور حضرت کے پاؤں پکڑ لیے۔

(سیرتِ امیرِ ملت ص۷۰۰)

ان واقعات و روایات ذکر کرنے سے مقصد یہ ہے کہ حضرتِ امیرِ ملت قدس سرہٗ جس طرح عوام میں مقبول تھے اسی طرح خواص میں بھی مقبول تھے۔ بے شمار کافروں نے آپ کے دستِ حق پرست پر اسلام قبول کیا اور پچاس لاکھ سے زائد لوگوں نے آپ کے دستِ اقدس پر توبہ اور بیعت کی اور اس وقت کے بڑے بڑے مشائخ کرام اور علمائے عظام بطورِ عقیدت آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے تھے جن میں سے بعض کے اسمائے گرامی (جن کا مصنفِ سیرتِ امیرِ ملت نے ذکر کیا ہے) ہم ذکر کرتے ہیں تاکہ قارئین حضرات حضرتِ امیرِ ملت کی مقبولیت کا اندازہ کر سکیں جو کہ مجددِ دین کے لئے ایک ضروری امر ہے۔

- حضرت سجادہ نشین صاحب چورہ شریف
- حضرت الحاج صاحبزادہ محمد صدیق صاحب، چورہ شریف
- حضرت محدثِ کچھوچھوی سجادہ نشین کچھوچھہ شریف
- حضرت مولانا مفتی سید دیدار علی صاحب الوری
- حضرت صدر الافاضل مولانا مفتی محمد نعیم الدین صاحب مرادآبادی۔
- حضرت ابوالحسنات مولانا سید محمد احمد صاحب، لاہور
- حضرت ابوالبرکات مولانا سید احمد صاحب، لاہور
- حضرت مولانا پیر سید ولایت شاہ صاحب، گجرات۔
- حضرت ڈاکٹر اللہ دتہ صاحب، گجرات
- حضرت مولوی محمد یار صاحب بہاولپوری

- حضرت حافظ انور علی صاحب رہتکی
- حضرت مولٰنا محمد حسین صاحب قصوری
- حضرت مولانا خیر شاہ صاحب امرتسری
- حضرت مولوی محمد عظیم صاحب گکھڑوی
- حضرت مولوی محمد عظیم صاحب فیروزپوری
- حضرت مولٰنا حافظ ظفر علی لپروری
- حضرت مولوی محمد خوب صاحب احمد آبادی
- حضرت مولانا مولوی محمد شریف فقیہ اعظم، کوٹلی لوہاراں (سیالکوٹ)
- حضرت مولانا مولوی غلام احمد صاحب اخگر امرتسری
- حضرت مولانا حکیم خادم علی صاحب سیالکوٹی
- حضرت مولٰنا امام الدین صاحب رائے پوری
- حضرت مولوی عبد المجید قصوری
- حضرت مولانا قاضی حفیظ الدین صاحب رہتکی
- حضرت مولانا محمد عمر صاحب اچھروی
- حضرت مولٰنا عبد الغفور صاحب ہزاروی (شیخ القرآن)
- حضرت مولانا مفتی احمد یار خاں صاحب گجراتی
- حضرت مولٰنا عبد الحمید صاحب، ظفروال

ان مشائخ عظام اور علمائے کرام کے علاوہ ہند و پاک، افغانستان اور دیگر ممالک کے صوفیاء، مشائخ، علماء اور صلحاء آپ کے ہاں عقیدۃً حاضر ہوتے۔ حضرت امیر ملت قدس سرہ کی ذات آیۃ من آیات اللہ تھی، خواص اور عوام میں آپکی مقبولیت بے پناہ تھی جو کہ ایک مجدد کے لئے وصف لازم ہے لہٰذا حضرت

امیرِ ملت قدس سرہ کے چودھویں صدی کے مجدد ہونے میں کسی قسم کا شک و ریب نہیں ہے۔ آپ کے دینی و اسلامی خدمات اور تجدیدانہ مساعی اس پر واضح شاہد ہیں کہ آپ چودھویں صدی کے مصلح اور مجدد تھے۔ حضرت مولانا عبدالعزیز مرتضائی قصوری اور علامہ گوہر قصوری ایڈیٹر انوار الصوفیہ بھی لکھتے ہیں کہ حضرتِ امیرِ ملت قدس سرہ چودھویں صدی کے مجدد تھے۔ پیرِ طریقت رہبرِ شریعت شیخ الحدیث سید محمود علی شاہ صاحب محدثِ ہزاروی (حویلیاں شریف) بھی فرماتے ہیں کہ حضرتِ امیرِ ملت رحمۃ اللہ علیہ چودھویں صدی کے مجددِ دین تھے۔

حضرتِ امیرِ ملت قدس سرہ نے مکمل ایک سو سال تک تجدیدِ دین، نشر و اشاعتِ اسلام، احیائے سنت کا کام کیا۔ نصرتِ الٰہی اور تائیدِ ایزدی آپ کے شاملِ حال رہی اور ہندوستان بھر میں ظلمت و جہالت اور بے دینی اور گمراہی کی جو تاریکی چھا چکی تھی، اسلام کے خلاف جس طرح دشمن قوتیں محاذ آرا تھیں اور مسلمان خوابِ غفلت میں ڈوبے ہوئے تھے اور فرائضِ دینی و احکامِ شرعیہ سے ناواقف اور بے بہرہ ہو چکے تھے۔ اس کا انجام تو سخت خطرناک نظر آتا تھا لیکن اللہ تعالےٰ کو مسلمانوں کی فلاح و نجات مطلوب تھی اس لئے اللہ تعالےٰ نے اس عظیم مقصد کیلئے حضرتِ امیرِ ملت کو متعین فرمایا۔ آپ نے دنیاوی صعوبات اور مشکلات کے باوجود اپنے عزم و استقامت، جرأت و بے خوفی اور حوصلہ و استقلال سے اس برِ صغیر کے طول و عرض میں علمِ اسلام کو سربلند کرنے اور شریعتِ اسلامیہ کے اوامر و نواہی کو مروج کرنے میں خدا کے فضل و کرم اور فتح و نصرت کے زیرِ سایہ نمایاں کامیابی حاصل فرمائی اور آپ اپنے تمام تجدیدی کارناموں میں فائز المرام ہوئے۔

ان تمام واقعات و حالات کی روشنی میں یہ بات واضح تر ہو گئی ہے کہ حضرتِ امیرِ ملت قدس سرہ چودھویں صدی کے مجدد تھے۔ مجدد، تبلیغِ دین بلا خوف

کرتا ہے۔

ہم متعدد مرتبہ پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ منصبِ تجدید منصبِ نبوت کا ظلِ کامل اور اصلی سایہ ہے اور نبی دعوتِ حق میں بلاخوف ہر وقت مصروف رہتے ہیں اگر تمام شیطانی اور طاغوتی اور نمرودی طاقتیں نبوت سے متصادم ہوں تو پھر بھی نبوت ان کی پرواہ نہیں کرتی، آخر کار طاغوتی اور شیطانی طاقتیں خود ہی پاش پاش ہو جاتی ہیں، دنیا میں کئی فراعنہ اور نماردہ نے نبوت سے ٹکر لی، تمام کو ہزیمت اور شکست کا منہ دیکھنا پڑا فتح و نصرت نے نبوت کے قدم چومے۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جب قریشِ مکہ کو توحید اور نبوت اور اُسکی تعلیمات کی دعوت دی تو انہوں نے مخالفت شروع کر دی۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے قریشِ مکہ کی مخالفت کے باوجود تبلیغ کو جاری رکھا۔ قریشِ مکہ نے جب دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مقصد میں کامیاب ہو رہے ہیں تو تمام قبیلوں کے سردار جمع ہوئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرتِ ابوطالب کے پاس آ کر کہنے لگے۔ ہم نے آپ کا بہت ادب کیا، آپ کا بھتیجا ہمارے ٹھاکردں اور بتوں کو جنہیں ہمارے باپ دادا پوجتے آئے، اتنا سخت سست کہنے لگا ہے کہ اب ہم صبر نہیں کر سکتے۔ آپ اسے سمجھا کر چپ رہنے کی ہدایت کر دیں ورنہ ہم اسے جان سے مار ڈالیں گے اور تم اکیلے ہم سب کا کچھ نہیں کر سکو گے۔ ساری قوم اور سارے ملک کی عداوت اور دشمنی دیکھ کر چچا کا دل درد اور محبت سے بھر گیا اور حضرتِ ابوطالب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بُلایا اور سمجھایا اور عرض کیا کہ بت پرستی کا رد نہ کیا کرو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا کی یہ بات سنکر فرمایا چچا! اگر یہ لوگ سورج کو میرے داہنے ہاتھ پر لا کر رکھ دیں اور چاند کو بائیں ہاتھ پر، تب بھی میں اپنے کام سے نہ ہٹوں گا اور خدا کے حکم میں ایک حرف میں کم و بیش نہ کروں گا اس کام میں خواہ میری جان بھی جاتی رہے۔ اس ناکامی کے بعد قریشِ مکہ نے

مشورہ کیا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو تمام قوم کے سامنے بلا کر سمجھانا چاہیے۔

قریشِ مکہ نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس کہلا بھیجا کہ سردارانِ قوم آپ سے کچھ بات چیت کرنا چاہتے ہیں اور کعبہ کے اندر جمع ہیں۔ جب نبی صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے تو قریشِ مکہ نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا کہ ہم نے آپ کو یہاں بات کرنے کے لیے بلایا ہے، بخدا! ہم نہیں جانتے کہ کوئی شخص اپنی قوم پر اتنی مشکلات لایا ہو جس قدر تم نے اپنی قوم پر ڈال رکھی ہیں، اب تم یہ بتاؤ کہ اگر تم اپنے اس نئے دین سے مال جمع کرنا چاہتے ہو تو ہم تمہارے لیے مال جمع کر دیں اتنا کہ ہم میں سے کسی کے پاس اتنا روپیہ نہ نکلے، اگر آپ شرف وعزت کے خواستگار ہو تو ہم آپ کو اپنا سردار بنالیں، اگر آپ سلطنت کے طالب ہیں تو ہم آپ کو بادشاہ مقرر کرلیں، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قریشِ مکہ! تم نے جو کچھ کہا ہے، میری حالت کے ذرا بھی مطابق نہیں ہے، جو تعلیم میں لے کر آیا ہوں وہ نہ طلبِ اموال کے لیے ہے اور نہ حصولِ سلطنت وعزت کے لیے ہے، بات یہ ہے کہ خدا نے مجھے تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے، مجھ پر کتاب اتاری ہے مجھے بشیر اور نذیر بنایا ہے، میں نے خدا کے پیغام تم کو پہنچا دیئے ہیں اور تمہیں بخوبی سمجھا دیا ہے اگر تم میری تعلیمات کو قبول کروگے تو یہ تمہارے لیے دنیا وآخرت کا سرمایہ ہے اور اگر رد کروگے تو میں اللہ کے حکم کی انتظار کروں گا کہ وہ میرے اور تمہارے لیے کیا حکم بھیجتا ہے۔ جس طرح انبیاءِ کرام بلا خوف وخطر اور اپنی جان کی پرواہ کیے بغیر اللہ تعالیٰ کے احکام بلا کم وکاست اللہ کے بندوں تک پہنچاتے ہیں اسی طرح مجدد بھی اللہ ورسول کے احکام امت تک پہنچاتا ہے اور مادی وشیطانی قوت سے ہرگز نہیں ڈرتا۔

حضرتِ امیرِ ملت قدس سرہ چونکہ منصب تجدید پر فائز تھے، آپ کے

دل مبارک میں بھی کسی طاقت اور حکومت کا ڈر نہیں تھا۔ آپ خود اپنے صدارتی خطبۂ خلافت کانفرنس (فیصل آباد) لائل پور (۳۔۴ مارچ ۱۹۲۱ء) میں فرماتے ہیں کہ میں تحدیثِ نعمت کے طور پر کہتا ہوں جو کچھ کرتا ہوں اپنے خدا کی رضا جوئی کے لئے کرتا ہوں، مجھے دنیا اور دنیا والوں سے خاص تعلق نہیں ہے، مجھے ان کی کوئی خوشامد مقصود نہیں، میں جو کچھ کر رہا ہوں اپنے مولیٰ کی خوشنودی کے لئے کر رہا ہوں، جس زمانے میں ہندوستان کے مسلمانوں میں جذبۂ اسلامی مفقود نظر آتا تھا میں تو بفضلِ خدا اس زمانہ میں بھی اپنے فرائض ادا کرنے میں کوتاہی نہیں کرتا تھا' میں سنتا ہے کہ میری نسبت یہ کہا گیا ہے میں حکومتِ برطانیہ سے ڈرتا ہوں اور میں اُن کا طرفدار ہوں۔ اب تم ہی بتاؤ کہ میں نے ان کا کونسا خطاب قبول کیا' کونسی جاگیر حکومت سے حاصل کی، کونسا تمغہ یا سند لی ہے، میں ان دنیا والوں اور ان کی تمام دنیاوی چیزوں پر لعنت بھیجتا ہوں، مجھے انگریزوں اور حکومتِ برطانیہ سے کیسا ڈر، کیسا خطرہ؟ ڈرے وہ جسے دنیا اور دنیا کی چیزوں کا خیال ہو عزت و دولت دینے والا میرا خدا ئے پاک ہے، میرا مولا ہے، مجھے انگریزوں کی خوشامد سے کیا واسطہ، میرا رازق، میرا مالک خدائے برتر ہے، میرا اٹھنا میرا بیٹھنا، میرا چلنا، میرا کھانا، میرا پینا، میرا سونا غرضیکہ میری ہر ایک بات خدا اور محض خدا کے لئے ہے میں دنیا اور دنیاوی باتوں کے لئے ہرگز ہرگز کچھ نہیں کرتا۔"

حضرتِ امیرِ ملت قدس سرہ کے دل میں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا خوف تھا اور آپ احکامِ الٰہی کے معاملے میں کسی بڑے سے بڑے حاکم اور جابر کی بھی پرواہ نہ کرتے تھے۔ سلطان ابن سعود کے زمانے میں آپ حج کو تشریف لے جاتے تو مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں سرکاری امام کے پیچھے نماز میں شامل نہ ہوتے اور اپنی جماعت ہمیشہ الگ کرتے۔ امیرِ مدینہ منورہ سے یہ شکایت کی گئی تو اس نے بلا کر

دریافت کیا کہ ہماری جماعت کے ساتھ آپ نماز کیوں ادا نہیں کرتے؟ تو آپ نے شرعی دلائل سے ثابت کیا کہ میری نماز تمہارے پیچھے نہیں ہوتی۔ یہ حضرت امیرِ ملت ہی کا مقام تھا کہ آپ نے سعودیہ حکومت کے امام کے پیچھے کبھی بھی نماز نہیں پڑھی، دوسرے لوگ تو سعودیہ حکومت میں یہ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ وہاں اپنی علیحدہ جماعت کرائیں۔

سلطان ابنِ سعود کو جب آپ کی عظیم شخصیت کا علم ہوا تو اس نے اپنے آدمی کے ذریعے حضورِ امیرِ ملت کی خدمتِ اقدس میں یہ پیغام بھیجا کہ شاہ صاحب کو میری طرف سے کھانے کی دعوت دو، حضور کی خدمت میں جب دعوت کے متعلق عرض کیا گیا تو آپ نے سخت الفاظ میں دعوت رَدّ فرمادی اور فرمایا کہ وہ سخت بے ادب ہے، اس نے جنّت البقیع شریف کے تمام مزارات کو منہدم کرادیا ہے اور دوسری خرابیاں بھی کی ہیں لہٰذا میں ابنِ سعود کی دعوت قبول کرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہوں۔

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ علاقہ ترن تارن میں جب حضرتِ امیرِ ملت قدس سرہ تشریف لے جانے لگے تو بعض دوستوں نے عرض کیا کہ حضور وہ سکھوں کا مرکز ہے، وہ اسلام کے دشمن ہیں، ایسا نہ ہو کہ حضور کی ایذاء رسانی کے درپے ہو جائیں تو حضرتِ امیرِ ملت نے جواباً فرمایا کہ تم لوگ مجھے کافروں سے ڈراتے ہو، میں سید ہوں، جو سچے سید وہ ڈرتا نہیں اور جو ڈرتا ہے وہ سید نہیں۔ میں اسلام کی حقانیت بیان کرنے اور تبلیغ کرنے ضرور جاؤں گا، حتّٰی کہ آپ تشریف لے گئے۔

حضرتِ امیرِ ملت قدس سرہ بلا خوفِ لومۃ لائم تبلیغِ دین فرماتے تھے جو کہ مجدّدِ دین کی ایک صفتِ لازمہ ہے، اسی لئے مخلوقِ خدا آپ کی تبلیغ سے متاثر اور مستفید ہوئی ہے۔

مجدد کی توہین اور گستاخی بدبختی ہے

کسی بھی مومن اور مسلمان کی توہین اور بے ادبی ممنوع ہے چہ جائیکہ اولیاء، علماء اور صلحاء کی توہین کی جائے اور ان کے ساتھ بغض وعناد رکھا جائے یہ تو ایک بہت بڑی شقاوت اور بدبختی ہے۔ قرآنِ پاک میں ہے اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ۝ "بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے، اللہ تعالیٰ ان کے لئے (مخلوق کے دل میں) محبت پیدا کردے گا۔"

امام ترمذی اور ابنِ مردویہ نے حضرتِ علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت کی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سیجعل لھم الرحمٰن ودا کے بارے میں دریافت کیا تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس سے مراد مومنین کے سینوں اور ملائکہ مقربین میں محبت کا پیدا ہونا ہے۔ جب مومنِ صالح کی محبت اللہ تعالےٰ لوگوں کے دلوں اور ملائکہ کے سینوں میں پیدا فرماتا ہے تو مومنِ صالح کے ساتھ بغض وعداوت کا اظہار یا توہین اور گستاخی کا ارتکاب سوائے خبثِ باطن کے نہ ہوگا اور وہی لوگ صلحاء سے بغض وعداوت رکھیں گے جو بدباطن ہوں گے۔ پھر منصب تجدید تو منصبِ نبوت کا سایۂ اصلی ہے اور جیسے منصب نبوت کی توہین سے ایمان بالکلیہ ضائع ہو جاتا ہے اسی طرح مجدد کی توہین اور اس سے بغض وعناد رکھنا سخت ترین جرم ہے۔

علامہ ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) لکھتے ہیں کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی شانِ گرامی میں بے ادبی بنیادی طور پر اللہ تعالےٰ کے دین کے منافی ہے۔ بے ادبی سے احترام اور تنظیم پامال ہو جاتا ہے، احترام نہیں تو جو کچھ نبوت سے کرآئی ہے اس کا بھی کوئی مقام نہیں رہتا ہے۔ پورا دین، پورا ایمان حرفِ غلط ہو کر رہ جاتا ہے

اسی بنا پر ان کی مدح سرائی، آپ کی تعریف، آپ کی تعظیم، آپ کی توقیر سے بھی سارے دین کا قیام وابستہ ہے اور اس سے محرومی درحقیقت پورے دین سے محرومی ہے اور یہ ناممکن ہے کہ جس قلب میں آپ کا احترام ہو اُس کی زبان پر گستاخی اور بے ادبی ہو، احترام اور توہین کبھی یکجا نہیں ہو سکتے اور رسالت کی ذات سے محبت آپ کی تعظیم اور عزت ایمان کا لازمہ اور جزو لاینفک ہے، شانِ نبوت میں بے ادبی کفر ابلیس سے بھی زیادہ سنگین جرم ہے۔

علامہ ابوبکر ابن العربی (م ۵۶۲ھ) لکھتے ہیں کہ جن الفاظ میں اہانت اور بے ادبی کا احتمال ہو وہ بارگاہِ رسالت میں استعمال کرنے حرام ہیں، علامہ ابن تیمیہ بھی لکھتے ہیں کہ الفاظ کا ایسا پیمانہ جس سے نبوت کی جناب میں گستاخی کی بُو آتی ہو ایمان سے خارج کر دیتا ہے۔ (معالم القرآن، ص۴۶۵)

نبوت کی شان میں گستاخی اور بے ادبی سنگین کفر ہے اور مومن کی بے ادبی گناہ ہے اور تجدید دین کرنے والے کی بے ادبی، گستاخی اور بدبختی ہے اور مجدد کی توہین خبثِ باطن کی ظاہری علامت ہے۔

مجددِ خاص خاص شعبوں کے بھی ہوتے ہیں

مختلف صدیوں میں جس قدر مجدد گذرے ہیں اکثر خاص خاص شعبوں کے مجدد ہوتے رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ ایک ایک وقت میں متعدد مجدد نظر آتے ہیں، کوئی علمِ حدیث کا، کوئی فقہ کا، پھر اُن میں بھی کوئی فقہِ حنفی کا، کوئی فقہِ شافعی اور مالکی وغیرہ کا، کوئی علمِ کلام و عقائد کا، کوئی تصوف کا اور ایسے بھی ہوتا ہے اللہ تعالےٰ کسی زمانے میں اپنے کسی بندے سے بہت بڑا تجدیدی کام لیتا ہے کہ وہ متعدد شعبوں میں تجدیدی کام کرتا ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ (م ۵۹ھ) سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے لا یزال من امتی امۃ قائمۃ

باامر اللہ لایضرھم من خذلھم ولا من خالفھم حتی یاتی امر اللہ وھم علیٰ ذٰلک متفق علیہ (مشکوٰۃ المصابیح ص۵۸۳) کہ میری امت میں ہمیشہ ایک ایسی جماعت رہے گی جو دینِ حق پر قائم ہوگی، رسوا کرنے والے ان کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے اور نہ مخالف (یہ اس طرح قائم رہے گی) یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا امر (قیامت یا ان کی موت آجائے گی) اس کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔

اس حدیث میں صراحۃً بیان فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی زمین صلحاء سے کبھی بھی خالی نہ ہوگی جو کہ امرِ الٰہی پر قائم رہیں گے خواہ لوگ ان کی مدد کریں یا نہ کریں، اس کی کوئی پرواہ نہیں ہوگی، وہ تبلیغ اور ترویج سنت اور تجدیدِ دین کرتے رہیں گے اور یہ ایک جماعت ہوگی اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ تجدیدِ دین کرنے والے ایک صدی میں متعدد ہوں گے اور اپنے اپنے مخصوص شعبوں میں تبلیغ اور تجدید کریں گے اور بعض موقع ایسے بھی ہوتا ہے کہ کسی صدی میں ایک مجدد متعدد شعبوں میں تجدیدی کام کرتا ہے۔

حضرتِ امیرِ ملت قدس سرہ نے بھی متعدد شعبوں میں تجدید فرمائی ہے، فتنۂ ارتداد کا انسداد فرمایا، بدعات کا قلع قمع کیا، دینِ اسلام کو اصلی شکل میں لوگوں کے سامنے پیش فرمایا اور قوانینِ اسلام کا تحفظ اور علماء کا احترام، جھوٹی نبوت کا سختی سے مقابلہ کیا اور لوگوں کو اس کے دامِ تزویر سے محفوظ رکھا، مدارسِ دینیہ کا قیام اور مساجد کی تعمیر اور غیر مسلموں کو اپنی مساعیٔ تجدیدانہ سے مسلمان کیا اور پچاس لاکھ سے زائد لوگوں کے دلوں کا تزکیہ فرما کر ان کو صالح اور متقی و پرہیزگار بنایا۔

مجدد کی تمام مساعی اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہوتی ہیں

تجدیدِ دین کا منصب چونکہ منصبِ نبوت کا ظل اور سایۂ اصلی ہے لہٰذا جس طرح انبیائے کرام کے تمام کارنامے

اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہوتے ہیں اور حق تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق نبوت و رسالت کے فرائض انجام دیتے ہیں اور ان کو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی رہنمائی حاصل ہوتی ہے اور مساعیٔ نبوت و رسالت کا جو نتیجہ نکلتا ہے وہ بعینہٖ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہوتا ہے اسی طرح مجدد کے بھی تمام مساعیٔ تجدید اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق ہوتے ہیں، نبوت و رسالت کا علم چونکہ بذریعہ وحی ہوتا ہے، نبی اور اللہ میں عدم رضا کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحٰی۔ انبیاء کے لئے وحی ذریعۂ علم ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء کو عطا کیا جاتا ہے، یہ نہ تخلیقی ہے اور نہ کسبی، عام انسانوں میں حواس اور مشاعر علم کا ذریعہ ہوتے ہیں لیکن انبیاء علیہم السلام میں حواس اور مشاعر سے بالا وحی علمی ذریعہ ہوتا ہے، یوں سمجھئے کہ مخلوقات میں جیسے علمی ذرائع کا ایک ارتقائی سلسلہ قائم ہے، جمادات بے حس ہیں لیکن نباتات میں قوتِ احساس موجود ہے، حیوانات میں احساسات کے ساتھ کچھ مشاعر بھی کارفرما ہیں۔ انسان احساس اور شعور کے کمالات کا نمونہ ہے، ایسے ہی انبیاء کو حواس اور مشاعر سے بالا ایک ایسی قوت دیجاتی ہے جو دوسرے انسانوں کو نہیں ملتی، حواس صرف مادیات کی دریافت کا ذریعہ ہیں، مشاعر مادیات سے آگے ذہنیات اور عقلیات کا ادراک کرتے ہیں اور وحی ذہنیات اور عقلیات سے بالا حقائقِ غیبیہ معلوم کرنے کا راستہ ہے، گویا کہ نبی وہ ہوتا ہے جو علومِ غیبیہ کا عالم ہو نبی اور رسول کے لئے غیب کا جاننا ہی حقیقت میں مابہ الامتیاز ہے۔ اس ذریعۂ علم میں غور و بحث منطقیانہ فکر و نظر اور ترتیبِ مقدمات کی ضرورت نہیں پڑتی بلکہ حقائق اس طرح سامنے آتے ہیں جیسے وجدانیات، فطریات، بدیہیات اور محسوسات چونکہ اللہ تعالیٰ انبیاء کو ایک نئے ذریعہ سے علم عطا کرتا ہے اس لئے اس کا نام بھی عام ذرائع سے الگ وحی رکھا ہے۔ وحی کے معنے لغت میں اشارہ، لکھنا،

پیغام دینا، دل میں ڈالنا اور چھپا کر بولنا وغیرہ ہیں۔ وحی کے ان متفرق معنوں میں ایک مفہوم مشترک ہے اور وہ یہ کہ منہ سے لفظ نکالے بغیر ایک شخص کا دوسرے شخص کو مفہوم سمجھا دینا، یہ گویا کہ اللہ تعالیٰ کا وہ اشارہ ہے جو نبوت پر حقائقِ غیبیہ کی راہ کھولتا ہے، اسے امامِ رازی کی زبان میں ملکۂ نبوت اور مجدّدِ الفِ ثانی کی اصطلاح میں نورِ نبوت کہتے ہیں۔

حضرتِ مجدّدِ الفِ ثانی فرماتے ہیں جیسے عقل کا مقام حواس سے بالا ہے کہ جن چیزوں تک رسائی ہم حواس کے ذریعے نہیں کر سکتے، عقل کے ذریعے کر لیتے ہیں، ایسے ہی نبوت کا مقام عقل سے بالا ہے، جہاں عقل کی رسائی نہیں ہوتی نورِ نبوت کے ذریعے اس کا ادراک ہو سکتا ہے اور اس کے ساتھ مجدد صاحب نے یہ انکشاف بھی فرمایا ہے کہ جو شخص عقل و حواس ہی کو علمی ذریعہ مانتا ہے اور اس کے سوا کسی علمی ذریعہ کو نہیں مانتا، وہ درحقیقت منکرِ نبوت ہے۔

امامِ غزالی فرماتے ہیں کہ آدمی کے اطوار میں سے جیسے عقل معقولات کے ادراک کا ایک ذریعہ ہے ایسے ہی نبوت بھی ایک طور ہے جس کے نور سے صاحب نبوت حقائقِ غیبیہ اور عقل سے بالا امور کا ادراک کر لیتا ہے۔

شاہ ولی اللہ محدثِ دہلوی لکھتے ہیں کہ انسان کا مزاج اعتدالی صورتِ نوعیہ کے لحاظ سے معارفِ الٰہیہ کے بغیر پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا اس لئے حکمتِ الٰہیہ نے کچھ شخصیتوں کی عقلیت کو ایسا صاف، پاکیزہ اور بلند تر بنایا ہے کہ جن میں حقائق کے ادراک کی پوری پوری قابلیت رکھی ہے۔ یہ عظیم المرتبت شخصیت بارگاہِ الٰہی سے علوم کا فیضان لے کر آتی ہے اور انسانوں تک پہنچاتی ہے، اس کی حیثیت انسانوں میں ٹھیک وہی ہے جو شہد کی مکھیوں میں یعسوب کی ہوتی ہے، اگر سلسلۂ وحی نہ ہوتا تو نوعِ انسانی اس درجۂ کمال کو نہ پا سکتی جو تقدیرِ الٰہی نے اس کیلئے

مقرر کیا ہے گویا کہ انسانوں میں وحی نوعِ انسانی کے ارتقاء کی آخری کڑی ہے (معالم القرآن)

جب نبوت کا علم بذریعہ وحی ہے تو نبوت کے تمام مساعی اللہ تعالےٰ کی رضا کے مطابق ہوں گے اور مجدّد کا علم جو بذریعہ الہام ہوگا وہ نورِ نبوت سے چونکہ مستفاد ہوتا ہے لہٰذا مجدّد کے بھی تمام مساعی تجدیدانہ اللہ تعالےٰ کی مرضی کے مطابق ہوں گی۔

حضرتِ مجدّدِ الفِ ثانی فرماتے ہیں کہ اولیاءِ کرام کا الہام بھی انوارِ نبوت سے مقتبس ہے اور انبیاءِ کرام علیہم السلام ہی کی متابعت کے فیض و برکت کا نتیجہ ہے، ریاضت مجاہدہ کا طریق نظر و استدلال کے طریق کی طرح اس وقت اعتماد و اعتبار کے لائق ہوتا ہے جبکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تصدیق کے ساتھ مل جائے جو حق تعالےٰ کی طرف سے تبلیغ کرتے ہیں اور حق تعالےٰ کی تائید سے مؤیّد ہیں۔

حضرتِ مجدّدِ الفِ ثانی کی کلام سے ثابت ہوا کہ مجدّد کا علم نورِ نبوت سے مستفاد ہے جیسے نبوت اور رسالت کا کارنامے رضائے الٰہی کے مطابق ہوتے ہیں اسی طرح مجدّد کے تجدیدانہ مساعی بھی اللہ تعالےٰ کی مرضی کے مطابق ہوتے ہیں البتہ نبوت و رسالت کا مقام ولایت سے بالاتر ہے۔ نبی معصوم ہوتا ہے اور اس کا علم قطعی اور یقینی ہوتا ہے اور اس کی شخصیت منصوص من اللہ ہوتی ہے۔ نبوت میں سر تا سر عرفان ہوتا ہے۔ حصولِ علم کی حد تک نبوت کے عرفان کی دنیا ایسی ہی حقیقی اور واقعی ہوتی ہے جیسے ہمارے مشاہدات کی اور مجدّد میں صرف وجدان ہوتا ہے اور مجدّد معصوم نہیں ہوتا لیکن پھر بھی مجدّد کو حق تعالےٰ کی حفاظت و رہنمائی کا شرف ہر وقت حاصل رہتا ہے، اگرچہ ختمِ نبوت کے ساتھ نزولِ وحی کا سلسلہ بھی منقطع ہو چکا ہے لیکن اللہ تعالےٰ کی طرف سے اطوارِ عقل سے ماوراء دوسرے طریقے یعنی صحیح وجدان والہام وغیرہ مجدّدین کو حاصل ہوتے ہیں کیونکہ مجدّدین کا الہام انوارِ نبوت سے مقتبس اور مستفاد ہے۔ وارثِ انبیاء

کرام ہی کی متابعت کے فیض و برکت کا نتیجہ ہے اسی لئے مجدد کی تجدیدانہ مساعی رضائے الٰہی کے مطابق ہوں گی۔

حضرتِ امیرِ ملت قدس سرہ چونکہ چودھویں صدی کے مجدد تھے لہٰذا آپ کے تمام کارنامے اور تجدیدانہ مساعی رضائے الٰہی کے مطابق تھے۔ آپ خود فرماتے تھے کہ میرا مالک خدا لئے برتر ہے، میرا اٹھنا، بیٹھنا، چلنا، کھانا، پینا، سونا غرض میری ہر ایک بات خدا اور محض خدا کے لئے ہے، میں دنیا اور دنیاوی باتوں کے لئے ہرگز ہرگز کچھ نہیں کرتا۔

حضرتِ امیرِ ملت قدس سرہ احکامِ الٰہیہ کے معاملہ میں کسی بڑے سے بڑے حاکم اور جابر کی بھی پرواہ نہیں کرتے تھے بلکہ رضائے خدا اور رسول کو پیشِ نظر رکھتے تھے؛ آپ نے اپنی تمام زندگی اور دولت اللہ تعالےٰ کی رضا کے لئے وقف کر رکھی تھی اور مجدد کے لئے ضروری ہے کہ وہ تمام کام اللہ تعالےٰ اور اس کے رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی رضامندی اور خوشنودی کے لئے سرانجام دے۔ حضرت امیرِ ملت قدس سرہ کی حیاتِ طیبہ پر جب نظر ڈالی جاتی ہے تو انسان اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ جیسے آپ ولایت کے تمام مراتب پر فائز تھے اسی طرح آپ تمام صفات سے بھی متصف تھے اور آپ کے تمام مساعی تجدیدانہ تھے لہٰذا آپ چودھویں صدی کے بلاشک و شبہ مجددِ دین تھے۔

حضرتِ امیرِ ملت کی حیاتِ طیبہ پر ایک طائرانہ نظر

قدوۃ السالکین، زبدۃ العارفین امیرِ ملت حضرت پیر سید حافظ جماعت علی شاہ محدثِ علی پوری نور اللہ مرقدہ حضرت قبلہ سید کریم شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاک گھرانے میں ۱۸۳۰ء اور ۱۸۴۰ء کے درمیانی عشرے میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والدِ ماجد نے آپ کا نام جماعت علی رکھا۔ ایک فرد کا نام 'جماعت' ایک عجیب سی بات ہے لیکن منشائے ایزدی میں یہ امر مضمر تھا کہ یہ ایک فرد نہیں بلکہ ان کے ساتھ ایک جماعت ہو گی؛ لاکھوں انسانوں کی جماعت نام کا یہ ایک حسین انتخاب من جانب اللہ اشارہ تھا اس عظیم کام کی جانب جو اس فردِ واحد کے ہاتھوں اعلائے کلمۃ الحق اور احیائے سنتِ نبوی کیلئے انجام پانے والا تھا۔

جب آپ کی عمر چار سال چار ماہ چار دن ہوئے تو آپ نے حافظ شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ کا تلمذ اختیار کیا اور قرآنِ پاک حفظ کرنا شروع کیا تو بہت چھوٹی عمر میں آپ نے جب قرآنِ پاک حفظ کر لیا تو علی پور شریف کی درمیانی مسجد میں قرآنِ پاک سنایا، کم عمری کے باوجود حفظ میں پختگی اور صحت سے تمام لوگ متاثر ہوئے۔ حفظِ قرآن کے بعد آپ نورِ علم کی تحصیل کے لئے سہارنپور، کانپور، لکھنؤ، مراد آباد اور لاہور جیسے دور دراز مقامات کے سفر کئے۔

جب آپ تمام علومِ عقلیہ و نقلیہ سے فارغ ہوئے تو حضرت قبلہ پیر سید امام علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ (مکان شریف۔ بھارت) نے فرمایا کہ اس صاحبزادے (حضرتِ امیرِ ملت) کی پیشانی میں ایسا نور ہے جو سارے ہندوستان کو منور کر دے گا۔ آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ یہ بات من و عن صحیح ثابت ہو چکی ہے۔

جن اجل اساتذہ کرام سے آپ نے علم حاصل کیا، ان میں حضرت قاری شہاب الدین، مولانا عبد الرشید صدیقی علی پوری، علامہ عبد الوہاب، مولانا غلام قادر

بھیروی، علامہ مفتی محمد عبداللہ ٹونکی، مولانا محمد مظہر سہارنپوری، مولانا محمد فیض الحسن سہارنپوری مولانا محمد علی، علامہ احمد حسن کانپوری، علامہ میر محمد عبداللہ، مولانا عبدالقادر لاہوری، علامہ ارشاد حسین رامپوری رحمہم اللہ اجمعین ہیں نیز مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی نے تو اپنا کلاہ مبارک اتار کر آپ کے سر مبارک پر رکھ دی تھی اور ساتھ ہی سندِ حدیث کی اجازت مرحمت فرمائی تھی۔

حضرت مولانا عبدالحق صاحب الٰہ آبادی مہاجر مکی بہت بڑے عالم اور ولی اللہ تھے۔ عالم باعمل، متقی، شب زندہ دار اور عبادت گزار بزرگ تھے۔ اہل مکہ آپ کو قطبِ مکہ مکرمہ کہا کرتے تھے، انہوں نے بھی آپ کو سندِ حدیث عطا فرمائی تھی اور آپ کو پانی اور کھجور دم کر کے کھلائی اور بالخصوص حدیثِ اسودین کی اجازت بھی مرحمت فرمائی تھی۔

حضرت مولانا مولوی عبدالعلی صاحب محدث پانی پتی نے بھی حضرت امیرِ ملت کو سندِ حدیث عطا فرمائی نیز حضرتِ علامہ محمد عمر ضیاء الدین رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث استانبول (ترکی) نے بھی آپ کو سندِ حدیث عطا کی تھی۔ چنانچہ حضرتِ امیرِ ملت قدس سرہ بلامبالغہ حفظ میں امامِ ذہبی، ضبط میں ابنِ حجر عسقلانی، تاویل و تفسیر میں بیضاوی، نظر و فکر میں رازی، تصوف میں امامِ غزالی، معانی و بیان میں جرجانی اور تفتازانی اور فصاحت و بلاغت میں سحبانِ عصر اور خطابت میں یکتائے روزگار تھے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

ولیس علی اللہ بمستنکر ٭ ان یجمع العالم فی واحد

"اللہ تعالیٰ کے لئے یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے کہ وہ ایک عالم کے صفات و کمالات کو ایک فرد میں جمع کر دے۔"

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ما صب اللہ فی صدری شیئا الا صببتہ فی صدر ابی بکر (نزہۃ المجالس ص ۱۴۸) "اللہ تعالیٰ نے میرے سینے

میں جو کچھ ڈالا وہ میں نے ابوبکر کے سینے میں ڈال دیا۔"

نیز حدیث شریف میں ہے انا مدینۃ العلم و علی بابھا

(مناقب الخلفاء صـ ۱۰) "میں علم کا شہر ہوں اور اس شہر کا دروازہ علی ہیں۔" اس حدیث کی مندرجہ ذیل محدثین نے تخریج اور تصحیح بیان کی ہے۔

علامہ مجد الدین ابن یعقوب فیروز آبادی (م ۸۱۷ھ)، علامہ بدر الدین زرکشی (م ۷۹۴ھ)، شیخ محمد طاہر پٹنی (م ۹۸۶ھ)، امام نور الدین علی بن احمد سمہودی (م ۹۱۱ھ)، محمد بن عبدالباقی زرقانی (م ۱۱۲۲ھ)، شمس الدین سخاوی (م ۹۰۲ھ)، علامہ ابن حجر مکی (م ۹۷۵ھ)، علی بن حسام الدین المتقی (م ۹۷۵ھ)، ملا علی القاری (م ۱۰۴۴ھ)، حافظ ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ)، قاضی ثناء اللہ پانی پتی (م ۱۲۲۵ھ)، قاضی شوکانی (م ۱۲۵۰ھ) وغیرہم۔

حضرت امیر ملت قدس سرہ سلسلۂ نسب کے لحاظ سے مندرجہ بالا احادیث کے وارث تھے اور سلسلۂ طریقت کے لحاظ سے پہلی حدیث (ما صب اللہ الحدیث) کے، اس لئے لازم تھا کہ حضرت امیر ملت جامع کمالات بنیں کیونکہ زمانے بھر کو آپ رشد و ہدایت سے فیض یاب کرنے والے تھے اور آپ کے ذریعہ سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کو رواج حاصل ہونا تھا چنانچہ وہی طور پر آپ نے جو اسرار و رموز جانے اور جن معارف پر عبور حاصل کیا، ان کا احاطہ کون کر سکتا ہے۔

حضرت امیر ملت قدس سرہ نے شہباز ولایت فخر الاولیاء حضرت بابا فقیر محمد چوراہی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی۔ آپ بیعت کے بعد جب پہلی مرتبہ چورہ شریف گئے تو حضرت خواجہ فقیر محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی دستار مبارک اتار کر حضرت امیر ملت کے سر اقدس پر رکھ دی، خلافت طریقت سے سرفراز فرمایا اور فرمایا کہ یادِ الٰہی کیا کرو اور لوگوں کو اللہ کا نام بتایا کرو۔

آپ کے پیر و مرشد حضرت خواجہ فقیر محمد چوراہی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ شاہ صاحب (حضرتِ امیرِ ملّت) کا مقام بہت بلند ہے اور آپ کا کوئی ثانی نہ ہوگا۔ حضرت خواجہ فقیر محمد رحمۃ اللہ علیہ حضرتِ امیرِ ملّت کے لئے بہت زیادہ دعا کرتے تھے حتیٰ کہ حضرت خواجہ فقیر محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات حضرت امیرِ ملّت قدس سرہٗ کے بارے میں لفظ بلفظ پورے ہوئے چنانچہ پشاور اور کشمیر سے مدراس اور میسور تک اور بمبئی سے کلکتہ اور دارجیلنگ تک لاکھوں مرید پھیلے ہوئے ہیں بلکہ افغانستان برما، برطانیہ، ڈنمارک، آسام، برما، عراق، کویت، مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ تک میں حضور امیرِ ملّت قدس سرہٗ کے غلام موجود ہیں۔ بڑے بڑے علماء اور فضلاء نے آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔ مغربی تعلیم حاصل کرنے والوں میں سے بھی لاتعداد آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوئے جن میں پروفیسر، ڈاکٹر، وکیل، بیرسٹر اور افسر شامل ہیں۔

حضرتِ امیرِ ملّت بلند اخلاق کے مالک تھے۔ آپ از روئے توارث نیز موہبتِ ایزدی سے خلقِ عظیم کے رتبہ بلند پر فائز تھے۔ کافر بھی آپ کے اخلاقِ حسنہ سے متأثر ہو کر مسلمان ہو جاتے تھے اور ہزاروں لاکھوں ڈانواں ڈول مسلمان آپ کے رِفق و ملاطفت اور رأفت و شفقت کے گرویدہ ہو کر صالح اور دیندار بن جاتے تھے۔ آپ خلافِ شریعت کوئی بات ہرگز برداشت نہ فرماتے اور نہ ہی کبھی اصولوں پر مداہنت فرماتے۔ ذاتی طور پر آپ مجسمۂ رأفت و شفقت تھے غرضیکہ مکارمِ اخلاق، خلق و مدارات۔ خدمت و تحمّل، سخاوت و ایثار، عزیمت و استقامت، تواضع و مہمان نوازی آپ کے ایسے ممتاز اوصاف تھے کہ دشمن بھی متأثر ہوتے تھے اور تابعدار ہو جاتے اور حقیقت یہ ہے کہ ہزاروں غیر مسلم صرف آپ کے خلقِ عظیم اور اخلاقِ کریمانہ کی بدولت دولتِ ایمان سے مالا مال ہوئے۔ آپ ایک کامل متقی، شریعت کے پابند اور سنت

کے متبع بلکہ اپنے تجدیدانہ مساعی سے سنت کی ترویج واشاعت کرنے والے تھے اور سنت العمر خلافِ احتیاط اور مشکوک عمل سے پرہیز کرتے رہے۔ کھانے پینے نیز استعمالی چیزوں میں ہمیشہ طہارت و پاکیزگی اور تقوائے آپ کا معمول رہا اور آپ کے فیض مبارک سے آپ کے ادنیٰ غلام بھی پابندِ شریعت اور متقی و پرہیزگار بن گئے۔

حضرتِ امیرِ ملت قدس سرہ کا جود و سخا فضلِ خداوندی کا ایک کرشمہ تھا جس کی مثال تلاش سے بھی نہیں مل سکتی۔ آپ دینی اور روحانی نعمتوں کی عطا کے ساتھ مال و متاعِ دنیوی سے بھی نوازتے رہتے تھے۔ جو لوگ حضرتِ امیرِ ملت قدس سرہ کی زیارت سے مشرف ہوئے ہیں ان کو بخوبی معلوم ہے کہ حضور امیرِ ملت جود و سخا کے رتبۂ عالی پر فائز تھے اور ہر وقت، ہر حالت، ہر شخص کو اپنے فیضِ عام سے نوازتے رہتے۔ خود ارشاد فرماتے تھے کہ ہمارا ہاتھ خدائی خزانے میں ہے جو کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔

حضرت امیرِ ملت وہبی طور پر امیر تھے۔ آپ نے تحصیلِ دولت کے لئے کوئی کام کبھی نہیں کیا۔ آپ کی عمر کا ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کے دینِ متین کے لئے اور خلقِ خدا کی ہدایت میں گذرا۔ رب العزت کا آپ پر خاص کرم تھا کہ خزانۂ غیب سے آپ کو عطا فرماتا تھا۔ آپ بھی سنتِ نبوی پر عامل رہے کہ جو آتا فوراً سائلوں اور ضرورت مندوں کو بخش دیتے تھے۔ بعض دفعہ پاس کچھ نہ ہوتا تو قرض لے کر حاجت مندوں کی ضرورت پوری کرتے۔ آپ سائلوں کی کثرت سے خوش ہوتے اور فرماتے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے کہ اس نے ان کو میرے پاس بھیجا ہے۔

حضرت امیرِ ملت قدس سرہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بے پناہ محبت تھی۔ آپ دیارِ حبیب کی محبت میں ڈوبے ہوئے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ مدینہ پاک میرا وطن ہے۔ محبتِ رسول کی بنا پر ہی آپ نے پچاس سے زیادہ مرتبہ مدینہ طیبہ میں حاضری دی۔

عشقِ رسول کا اندازہ کرنے کے لئے یہ واقعہ پڑھ لیجیے۔ ۱۹۱۶ء کی بات ہے کہ حضرتِ امیرِ ملّت ایک طویل تبلیغی دوران لاہور مسجد پٹولیاں میں فروکش تھے۔ سردی کا موسم تھا اور آپ کو شدید بخار تھا۔ میر ہدایت اللہ صاحب مرحوم پرنسپل میڈیکل کالج امرتسر میر حبیب اللہ صاحب اور حافظ انور علی صاحب مرحوم جج رہتکی آپ کے پاس تھے اتنے میں خادم نے اطلاع دی کہ حضور حافظ خلیل الدین پیلی بھیتی سلام کے لئے حاضر ہوئے۔ حافظ صاحب برصغیر کے مشہور و معروف نعت خوان تھے اور پیلی بھیت (یو۔پی) میں مجسٹریٹ تھے۔ حضرت امیرِ ملّت نے حکم دیا کہ فوراً حافظ صاحب کو بلاؤ حالانکہ آپ لحاف اوڑھے ہوئے تھے اور کپکپی طاری تھی۔ حضور نے حافظ صاحب سے فرمایا کہ آپ حضور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں نعتیں لکھتے ہیں، افسوس کہ بیماری کی وجہ سے آپ کا استقبال نہ کر سکا۔ پھر دریافت فرمایا کہ حافظ صاحب کوئی تازہ نعت لکھی ہے؟ حافظ صاحب فوراً دو زانو ہو بیٹھے، بیاض کھولی اور نعت شروع کی، مطلع یہ تھا ؎

زائروں کی بھیڑ ہو روضہ ترا ہو میں نہ ہوں
وائے ناکامی کہ اِک خلقِ خدا ہو میں نہ ہوں

مطلع بے پناہ تھا سب محظوظ ہوئے۔ حضرت نے فرمایا مکرر پڑھو، دو تین مرتبہ سماعت فرمایا اور لحاف چہرہ مبارک سے دور کر دیا حافظ صاحب نے دوسرا شعر پڑھا ؎

صدقے اس روضے کے جس پر سر سے دل سے جان سے
اک جہاں اِک خلق اِک عالم فدا ہو میں نہ ہوں

اب تو حضور نے بے ساختہ لحاف جسم پر سے اتار دیا۔ حافظ صاحب نے تیسرا شعر پڑھا ؎

میں وہ مردِ خلق ٹھہرا ہوں کہ بزمِ شاہ میں
اِنس ہو جن ہو فرشتہ ہو ہوا ہو میں نہ ہوں

اب تو حضور اُٹھ کر اس طرح بیٹھ چکے تھے کہ گویا بخار تھا ہی نہیں، جسم سے پسینہ جاری تھا

اور کیف طاری تھا۔ جب حافظ صاحب نے یہ شعر پڑھا ؎

میں وہاں ہوں وہ وہاں ہوں یا نہ ہوں پر یہ نہ ہو
شاہ کے دربار میں چرچا مرا ہو میں نہ ہوں

تو حضرت بیتاب ہو گئے اور ایک دم حجرہ سے مسجد میں تشریف لائے اور حاجی محمد لوٹا (خادم خاص) کو حکم دیا کہ جلد اسباب باندھو اور مدینہ شریف چلو، جہاز پر سوار ہوتے ہوتے وقت بھی یہ مصرعہ زبان پر جاری تھا ع

شاہ کے دربار میں چرچا مرا ہو میں نہ ہوں

یہ تو ایک واقعہ ہے، اس کی مثل ہزار ہا واقعات ہیں جن سے حضرتِ امیرِ ملت قدس سرہ کا عشقِ رسول مترشح ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرتِ امیرِ ملت عشقِ رسول صلے اللہ علیہ وسلم میں اپنی مثال آپ تھے اور تبلیغ دین آپکا نصب العین تھا۔ تمام ہند و پاک اور دیگر ممالک میں آپ نے صرف تبلیغِ اسلام کے لئے متعدد دورے فرمائے۔

ناظرین حضرات پہلے آپ کے دینِ اسلام کی تبلیغ کے کوائف بالاجمال پڑھ چکے ہیں، تفصیل کے لئے سیرتِ امیرِ ملت اور تذکرہ شہ جماعت ملاحظہ فرمائیے۔

آپ کے مذہبی اور اسلامی کارناموں کے علاوہ سیاسی کارنامے بھی تاریخ پاک و ہند میں سنہری حروف میں لکھے جانے کے لائق ہیں۔ آپ نے انگریزوں کی ہر دور میں مخالفت کی اور ان کی کارروائیوں کے خلاف عوام کو تیار کرتے رہے۔ جب بھی ان سامراج حکمرانوں کی طرف مداخلت فی الدین کی ناپاک جسارت ہوئی تو آپ ان کے سامنے سینہ سپر ہو گئے چنانچہ ۱۹۳۵ء کے وسط میں مسجد شہید گنج کے انہدام کا سانحہ پیش آیا تھا، لاہور لنڈا بازار کے مقام پر ایک تاریخی مسجد تھی، سکھوں کا دعوٰی تھا کہ یہ زمین انہوں نے خرید لی ہے اس لئے وہ وہاں گوردوارہ تعمیر کرنا

چاہتے تھے۔ ایک دن اہلِ لاہور نے دیکھا کہ نامعلوم طور پر یکایک مسجد کو شہید کر دیا گیا۔ مسجد شہید گنج کے اثرات اس تیزی کے ساتھ پنجاب اور دیگر صوبوں میں پھیلنے لگے کہ مسلمانوں کے جوش و غضب کے آگے بند باندھنا مشکل ہو گیا۔ یکم ستمبر ۱۹۳۵ء کو راولپنڈی میں ایک عظیم الشان کانفرنس بلائی گئی جس میں آپ کو بالاتفاق امیرِ ملت منتخب کیا گیا۔ علامہ عنایت اللہ المشرقی نے حضرت امیرِ ملت کو مخاطب کرتے ہوئے عرض کی حضور اگر آپ ہماری اور قوم کی قیادت سنبھالیں تو انگریز میں جرأت نہیں کہ وہ آپ کا مقابلہ کر سکے، آپ کی قیادت میں ہمیں کسی قسم کا خطرہ نہیں ہے۔

یہ کہہ کر علامہ مشرقی نے فوراً اطاعتِ امیر کے جذبے کے تحت بیعت کی، بعد میں لوگوں نے بھی بیعتِ اطاعت کی، آپ نے جس ولولے اور جذبے کے ساتھ اس تحریک کی قیادت کی، اس سے خوفزدہ ہو کر گورنر نے آپ کی گرفتاری کے آرڈر جاری کر دیئے مگر کسی کو آپ کے قریب تک آنے کی جرأت نہ ہوئی چہ جائیکہ آپ کو گرفتار کیا جاتا۔ آخر کار یہ احکامات گورنر کو منسوخ کرنے پڑے۔

اس تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے آپ نے مجلسِ اتحادِ ملت بنائی اور پیرانہ سالی کے باوجود ملک کے طول و عرض میں طوفانی دورے کئے۔ ان دوروں کے بعد آپ نے ۸ر نومبر ۱۹۳۵ء میں لاہور کی شاہی مسجد سے ننگی تلواروں کا جلوس نکالا اور آپ نے خود ہاتھ میں ننگی تلوار لے کر کھلی جیپ میں اس عظیم الشان تاریخی جلوس کی قیادت فرمائی اور جلوس منظم طریقے سے نکالا گیا اور حکومتِ وقت خوفزدہ ہو گئی۔

بالآخر اس تحریک کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسجد کی جگہ گوردوارہ بنانے کی کسی کو بھی جرأت نہ ہوئی۔

بدایوں کے اجلاس میں مولانا حامد رضا خان صاحب کو صدر چُنا گیا

تو انہوں نے یہ کہہ کر صدارت کا عہدہ آپ کے حوالے کر دیا کہ آپ اس بارے میں زیادہ تجربہ رکھتے ہیں۔ اہلِ سنت کے بدایوں کے اجلاس کے بعد بنارس میں ۱۹۴۵ء کو آل انڈیا سنی کانفرنس ہوئی۔ آپ نے خطبے کے دوران مسلم لیگ کی کھل کر حمایت کرنے کا اعلان فرما دیا اور حاضرین کو قائدِ اعظم کی قیادت میں مجتمع ہونے کی ہدایت فرمائی۔ مولانا عبدالحامد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی حمایت کی اور بعض علماء نے اختلاف کرنے کی ناکام کوشش کی اور بحث تحیص کے بعد آپ ہی کی بات تسلیم کی گئی اور مسلم لیگ کی حمایت کرنے کے لئے قرار دادیں پاس کی گئیں پھر حضور نے ہندوستان بھر کے دورے کر کے مسلمانوں کو قیامِ پاکستان کے حق میں منظم کرنے کے لئے اہم کردار ادا کیا۔ آپ نے سادات مشائخ عظام اور علماء سے اپیلیں کیں کہ وہ اسلامی مملکت کے قیام کے لئے محمد علی جناح کی کھل حمایت کریں۔ آپ جہاں تشریف لیجاتے یہی فرماتے کہ پاکستان بنانے کیلئے مسلم لیگ کی حمایت کرو اور یہ بھی فرماتے کہ ہر شخص مسلم لیگ کو ووٹ دے۔

حضرتِ امیرِ ملت نے اشتہارات چھپوائے اور ایک فتوٰے اخبارات میں شائع کیا کہ جو شخص مسلم لیگ کو ووٹ نہ دے اس کا جنازہ مت پڑھو اور اسے اپنے قبرستان میں مت دفن ہونے دو۔ حضرت قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے لاہور کے ایک جلسۂ عام میں کئی لاکھ کے مجمع میں کہا تھا کہ میرا ایمان ہے کہ پاکستان ضرور بنے گا کیونکہ امیرِ ملت مجھ سے فرما چکے ہیں کہ پاکستان ضرور بنے گا اور مجھے یقینِ واثق ہے کہ اللہ تعالٰے آپ کی زبانِ مبارک کو ضرور سچا کریں گے۔ (سیرتِ امیرِ ملت ص ۴۸۶)

آخر کار بزرگانِ دین اور امیرِ ملت کے صدقے اور حضرت قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مساعی سے پاکستان وجود میں آگیا۔

بہر صورت حضرتِ امیرِ ملت کے مذہبی، دینی اور ملی خدمات بیشمار ہیں،

آخرکار یہ ولیِ کامل اولیاء، علماء اور صلحاء کے عظیم رہنما چودھویں صدی کے مجدد جب ۹ رمضان المبارک کو مسجد نور میں نماز ادا کر رہے تھے، بیمار ہوگئے اور ۲۶، ۲۷ ذلقعدہ ۱۳۷۰ھ بمطابق ۳۰، ۳۱ اگست کی درمیانی شب کو اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کا عظیم الشان روضہ مبارک علی پور شریف (ضلع سیالکوٹ) میں مرجع خلائق اور زیارت گاہِ خواص و عوام ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ایک صدی میں متعدد مجدد ہو سکتے ہیں اور قدوۃ السالکین، زبدۃ العارفین حضرتِ امیرِ ملت حافظ پیر سید جماعت علی شاہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے تقریباً سو سال دینِ اسلام کی خدمت اور تبلیغ فرمائی ہے اور متعدد علماء کرام نے آپ کے تجدیدانہ مساعی کے مطابق آپ کو مجدد لکھا ہے لہٰذا آپ چودھویں صدی کے مجدد ہیں۔

اللّٰھم اید بنصرتک بقیۃ السلف حجۃ الخلف مورد الطاف الربانیۃ واقف العلوم الصمدانیۃ فخر الملۃ السید افضل حسین النقشبندی الجماعتی صاحب السجادۃ الشریفۃ (علی پور شریف) واجعلہ رب فخرا للملۃ والدین بجاہ سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ اجمعین۔

محررہ
مفتی غلام رسول
دار العلوم نقشبندیہ علی پور سیداں شریف
ضلع سیالکوٹ